چشم ما روشن دل ما شاد

خواجہ شمس الدین عظیمی

January 20, 2000

500 Copies

Designed & Composed by

Mr. Computers,

Samad Khan Shaheed Street,

Fatima Jinnah Road, Quetta

Printer

Stanlay Printers

Lahore

CREATIVE PUBLICATIONS

21 Bolan Hotel, Shara-e-Gulistan

P.O. Box: 414, Quetta.

Rs. 120/-

مٹی کی لکیریں ہیں جو لیتی ہیں سانس
جاگیر ہے پاس اُن کے فقط ایک قیاس
ٹکڑے جو قیاس کے ہیں مفروضہ ہیں
ان ٹکڑوں کا نام ہم نے رکھا ہے حواس
(قلندر باباولیاءؒ)

انتساب

مربّی، مشفقّ

مرشد کریم

کے نام

الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی جب کوئٹہ وزیارت کے تبلیغی دورہ پر تشریف لائے تو آپ نے روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات کیلئے کئی روحانی سیمینارز، علمی نشستوں، روحانی محافل، تربیتی ورکشاپس اور تعارفی تقاریب میں شرکت فرمائی۔ علم الاسماء، تسخیر کائنات اور خواتین میں روحانی صلاحیتوں جیسے اہم موضوعات پر اپنے ذریں خیالات کا اظہار فرمایا۔ کوئٹہ اور زیارت کے تفریحی مقامات کی سیر کی۔ علم و عرفان کی آگہی کے اس سفر کی روئیداد حاضر خدمت ہے۔

اس روئیداد کی تدوین، مرشد کریم کی مشفقانہ سرپرستی سے ممکن ہو سکی۔ محترمی نواب خان عظیمی کی حوصلہ افزائی، علی محمد بارکزئی، محمد مسعود اسلم اور زکریا حسنین صاحبان کا تعاون حاصل رہا۔

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ سلسلہ عظیمیہ کے کسی بھی فرد نے جب بھی حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے روحانی مشن کی ترویج و ترقی کے لئے کوئی ارادہ کیا اور ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قدم بڑھایا تو اللہ تعالیٰ کی مدد اسے حاصل ہوئی۔ ہمیں کبھی اس بات کا تردد نہیں ہوا کہ ہم سلسلہ کا کام کریں گے تو کامیابی ہو گی یا نہیں ہو گی۔

ہم نے اپنے ظرف کے مطابق اگر کسی چھوٹے کام کا انتخاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے چھوٹا کام کرا دیا اور اگر ہم نے بڑے کام کا انتخاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے بڑا کام کرا دیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

''ہم نے انسان کے لئے سماوات اور زمین اور اس کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب مسخر کر دیا۔''

جہاں تک وسائل اور اس کی محکومیت کا تعلق ہے عام آدمی بھی اس سے مستفیض ہو رہا ہے مثلاً ہوا زندگی کے لئے کتنا بڑا وسیلہ ہے۔

ہوا کے بغیر زندگی زیر بحث ہی نہیں آتی۔ کوئی آدمی چاہے یا نہ چاہے، کوشش کرے یا نہ کرے، زندگی کے لئے ہوا کی ضرورت خود بخود پوری ہو رہی ہے۔ انسانی مشین کو چلانے کے لئے آکسیجن کا ایندھن ضروری ہے۔ آدمی چاہے یا نہ چاہے آکسیجن اسے ملتی رہتی ہے۔ غذائی ضروریات کے لئے زمین موجود ہے۔

اگر زمین اتنی سخت کر دی جائے کہ وہاں پہاڑ کے علاوہ کچھ نظر نہ آئے تو ایک دانہ گندم بھی دستیاب نہیں ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین آپ کی خدمت گزاری کے لئے مجبور ہے۔ اس لئے مجبور ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ جو بندے زمین پر رہتے ہیں وہ وسائل کے ساتھ زندہ رہیں۔ علیٰ ہذا القیاس آپ جتنا بھی غور و فکر کریں گے ایک ہی بات نظر آئے گی کہ وسائل زندگی کی بنیادی ضرورت ہیں۔

وسائل انسان کے تابع ہیں اور انسان کو فائدہ پہنچا رہے ہیں لیکن لوگ روتے ہیں، شکوہ کرتے ہیں، وسائل کی کمی سے پریشان بھی ہوتے ہیں اور کبھی کوئی یہ نہیں سوچتا کہ بنیادی ضروریات کبھی تشنہ تکمیل نہیں رہتیں۔ اللہ تعالیٰ وسائل فراہم کرتے رہتے ہیں اور ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں۔ وسائل پابند ہیں کہ انسان کی خدمت گزاری پر مستعد رہیں۔

۱۔ سب انسان اللہ کے بنائے ہوئے وسائل استعمال کرتے ہیں مگر اس طرف غور نہیں کرتے کہ زندگی کو برقرار رکھنے والے وسائل وافر مقدار میں ہر وقت، ہر آن، ہر لمحہ دستیاب ہیں۔

۲۔ دوسرا گروہ غور و فکر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ جب تک وہ چاہتا ہے ہم دنیا میں رہتے ہیں اور جب وہ چاہتا ہے ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین کا پیدا ہونا اللہ کی مرضی سے ہوا اور زندہ رہنے کے لئے وسائل کی فراہمی

قانون قدرت کی ذمہ داری ہے۔ اگر قدرت وسائل فراہم نہیں کرے گی تو انسان مر جائے گا۔ یہ مرنا جینا ایک قانون کے تحت ہے۔ ہماری زندگی ہماری موت اسی کے چاہنے پر ہے۔ یہی طرز فکر استغناء ہے۔

استغناء ایک کیفیت ہے روحانی شاگرد سے جس کی مشق کرائی جاتی ہے۔ سالک کے ساتھ بار بار ایسے حالات و واقعات پیش آتے ہیں کہ بالآخر وہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہاں جو کچھ ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی اور پالنے والا نہیں ہے۔

جب تک مشاہدات نہیں ہوتے بار بار تجربہ نہیں ہوتا۔ انسان کے اندر یقین کی تکمیل نہیں ہوتی۔ آدمی کی عادت ہے کہ کوئی کام اس کی عقل سے ماؤرا ہو جاتا ہے تو اسے اتفاق کہہ دیتا ہے۔ دو چار دس اور پچاس سو کام جب اس طرح کے ہوتے ہیں تو اس کے ذہن سے اتفاق کا لفظ نکل جاتا ہے۔

سلسلہ عظیمیہ کے دوستوں کے ساتھ قدرت کا تعاون اس لئے ہے کہ اللہ کے دوست حضور قلندر بابا اولیاءؒ چاہتے ہیں کہ سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے ہر فرد کا رابطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پکا ہو جائے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے استغناء کے ضمن میں سورۃ اخلاص کو بڑی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ مخلوق ایک نہیں ہوتی۔ اللہ احتیاج نہیں رکھتا اور مخلوق ہر ہر قدم پر محتاج ہے۔ مخلوق کسی کا بیٹا ہوتی ہے یا باپ ہوتی ہے۔ مخلوق کا خاندان بھی ہوتا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ مبارکہ میں اپنی پانچ صفات کا ذکر کیا ہے۔ اور وہ پانچ صفات ایسی ہیں کہ جس میں انسان چار صفات میں بے بس ہے۔ ان میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا مثلاً مخلوق یکتا نہیں ہو سکتی۔ لازم ہے کہ مخلوق اولاد یا باپ ہو۔ مخلوق کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی خاندان ہو۔ ایک ایجنسی ایسی ہے جس سے انسان اللہ کے ساتھ وابستگی کو مستحکم کر سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان اگر چاہے تو وسائل کی احتیاج سے آزاد ہو کر صرف ایک ہستی یعنی اللہ سے اپنی توقعات قائم کر لے۔ جس طرح اللہ وسائل کا محتاج نہیں ہے۔ اسی طرح انسان تمام وسائل کی احتیاج سے اپنا ذہن ہٹا کر اللہ کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ اللہ کے ساتھ وابستگی قائم کرنے کے لئے تجربہ ضروری ہے۔ مشاہدہ بھی ضروری ہے۔ اور یہ تجربہ اور مشاہدہ ایک بار نہیں بار بار ہونا ضروری ہے۔ آپ کا ایک کام ہو گیا تو آپ نے کہا اتفاق سے میرا یہ کام ہو گیا ہے۔ آپ کا ایک کام ہو گیا تو آپ نے کہا اتفاق سے میرا یہ کام ہو گیا ہے۔ دوسرا کام جس کے ہونے کی کوئی امید نہیں تھی وہ بھی ہو گیا۔ اور ان اتفاقات میں آپ کی زندگی میں دس بیس سو کام ہو گئے۔ ظاہر ہے آپ یہ کہیں گے یہ کیسا اتفاق ہے کہ ہر وہ کام جس کے بارے میں میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ کام نہیں ہو سکتا وہ کام ہو جاتا ہے اور جو میں چاہتا ہوں وہ نہیں ہوتا۔

سلسلہ عظیمیہ کے امام لوگوں کے اندر استغناء پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جتنا ان تجربات اور مشاہدات کے بارے میں ذہن استعمال کریں گے اسی مناسبت سے آپ کے اندر استغناء پیدا ہو جائے گا۔

ہر آدمی اپنے ماضی میں جھانکے، جب وہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ اس چھوٹے سے بچے کے ذہن میں نہ وسائل تھے نہ کوئی اپنی ذاتی خواہش تھی نہ اس کے اندر وسائل کے حصول کی فکر تھی لیکن وسائل اس بچہ کو فراہم ہوتے رہے۔

آپ اپنے بچے کو گود میں لے کر ایک گھنٹہ تک بیٹھ سکتے ہیں۔ ایک گھنٹہ تک اسے گود میں لے کر نہلا سکتے ہیں۔ دوسرے کے بچوں کو آپ اتنی دیر گود میں نہیں لیتے۔ جس طرح آپ اپنے بچے کے لئے پوری پوری رات نیند خراب کرتے ہیں محلے کے بچے کے لئے

نیند خراب نہیں کرتے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی آدمی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کو والدین کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ وہ مخصوص اس بنیاد پر ہوا کہ ماں کے دل میں اس بچہ کی محبت ڈال دی ہے جو اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ سب بچوں سے ہر آدمی محبت کرتا ہے لیکن کیا کوئی ماں یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ میں دنیا کے تمام بچوں سے اپنی اولاد کی طرح پیار کرتی ہوں۔۔۔۔۔؟

ایک بادشاہ لاوَلد تھا۔ اس کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ طے یہ ہوا کہ کوئی بچہ لے کر پال لیا جائے۔ ایک جمعدارنی کا انتخاب ہوا کہ یہ گھر گھر جاتی ہے اس سے کہا جائے کہ خوبصورت بچہ لے کر آئے۔ تلاش شروع ہو گئی۔ دو مہینے گزر گئے بچہ نہیں ملا۔ بادشاہ نے اس کو بلا کر کہا کہ اگر کل بچہ نہیں لائی تو میں تجھے قید کر دوں گا۔ وہ اگلے دن ایک بچہ کو لے آئی۔ وہ موٹے موٹے نقوش والا کالا کلوٹا بچہ تھا۔ ناک بہہ رہی تھی، آنکھیں میلی تھیں۔ بادشاہ بچہ کو دیکھ کر کہا کہ شہر میں تجھے یہی بچہ ملا ہے؟

جمعدارنی نے کہا کہ شہر میں اس سے خوبصورت بچہ مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔

بادشاہ نے پوچھا یہ کس کا بچہ ہے؟

جمعدارنی بولی۔ سرکار! یہ میرا بیٹا ہے۔

وسائل کا جہاں تک تعلق ہے بچہ وسائل کے نام اور استعمال سے واقف ہی نہیں ہوتا۔ اس تجربہ اور مشاہدہ سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کی ابتدا وسائل کی پابند نہیں ہے۔ جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا ہے اس کے اندر لاشعوری حرکات و سکنات کم ہوتی چلی جاتی ہیں اور شعوری حرکات و سکنات بڑھتی رہتی ہیں۔ جیسے جیسے شعوری حرکات اس کے اندر زیادہ ہوتی ہیں بچہ بالغ اور باشعور ہوتا ہے۔ وہ خود کو اپنے ارادے اور عقل سے وسائل کا پابند سمجھنے لگتا ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ خود کو وسائل کا پابند سمجھتے رہنے سے وسائل بنانے والے کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ وسائل کی پابندی سے ذہن ہٹے گا تو وسائل تخلیق کرنے والے کی طرف ذہن متوجہ ہو گا۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ انسان کے علاوہ کائنات میں کوئی اشرف نہیں ہے۔ یہ بات انسان کے علم میں ہو یا نہ ہو لیکن دوسری مخلوق اور فرشتے جانتے ہیں۔

حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ بیمار تھے۔ ایک بزرگ نے دروازہ پر دستک دی۔ بڑا بیٹا باہر گیا۔ بزرگ نے ایک خط دیا اور کہا۔

"اپنے ابا کو دے دو۔"

بیٹے نے باپ کو خط دے دیا۔ انہوں نے خط پڑھا اور فرمایا کہ

"ان سے جا کر کہو آدھے گھنٹے بعد تشریف لائیں۔"

بیٹے نے جا کر کہہ دیا۔ کہ ابا کہہ رہے ہیں آدھے گھنٹے بعد آنا۔ بزرگ چلے گئے۔

حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ نے جلدی جلدی ضروری کام نمٹائے اور ان کا انتقال ہو گیا۔ تکفین و تدفین کے بعد بیٹے کو خیال آیا کہ وہ بزرگ کون تھے۔ ابا نے انہیں آدھے گھنٹے بعد بلایا تھا۔ وہ کیوں نہیں آئے؟ خط کی تلاش ہوئی تو خط تکیہ کے نیچے مل گیا۔ خط میں لکھا تھا:

''میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ بڑی سرکار سے آپ کا بلاوا آیا ہے۔ بتایئے کیا حکم ہے؟''

نیچے لکھا تھا۔ ''عزرائیل''

آدھے گھنٹے کے بعد بلایا تھا۔ ملک الموت آدھے گھنٹے بعد آیا اور بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کو اپنے ساتھ لے گیا۔

قلندر غوث علی شاہؒ لکھتے ہیں کہ کلیر شریف میں ایک صاحب تھے، کافر شاہ۔ شام کے وقت غوث علی شاہ اور کافر شاہ سیر کرنے نہر کے کنارے چلے گئے۔ باتیں کرتے کرتے کافر شاہ اچانک بولے۔

''بھائی ہمارا بلاوا آ گیا ہے اور ہم جا رہے ہیں۔''

کافر شاہ لیٹ گئے اور کہنے لگے۔

''اب میرے پیروں کی جان نکل رہی ہے۔ میری جان سینے میں آ گئی ہے۔ اب میری جان حلق میں ہے۔ اچھا بھئی! خدا حافظ۔''

اور مر گئے۔

غوث علی شاہؒ حیران ہوئے کہ یہ بھی کوئی مرنے کا طریقہ ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سورج غروب ہو گیا۔ رات ہو گئی۔ غوث علی شاہؒ صاحب کو خیال آیا کہ رات بھر جنگل میں لاش پڑی رہے گی۔ یہ نہ ہو کہ مردہ جسم میں بھوت گھس جائے یا لاش کوئی جانور کھا جائے۔ عشاء کی نماز بھی قائم نہیں ہوئی۔ صبح کی اذان کے وقت کہنے لگے:

''اے بھائی کافر شاہ! میں نے تیرے ساتھ کیا برائی کی تھی جس کی تو نے مجھے یہ سزا دی ہے، میری نماز بھی گئی۔ ساری رات تو نے مجھے بٹھائے رکھا۔ میں کہیں جا بھی نہیں سکتا۔''

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ کافر شاہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ وہ اٹھ کر بیٹھے تو غوث علی شاہؒ کو یہ گمان گزرا کہ ان کے جسم میں کوئی بد روح گھس گئی ہے۔ کہنے لگے۔

''اچھا۔''

اور ہاتھ میں لاٹھی لے کر کھڑے ہو گئے۔ لاٹھی سر پر مارنے والے ہی تھے کہ کافر شاہ بولے۔

''بات سن تھوڑی دور کھڑا ہو جا۔ وہاں کھڑے ہو کے بات کر۔''

ہمت کر کے پچھلے پیروں ذرا دور کھڑے ہو گئے۔ کافر شاہ بولے۔

’’میں بدروح نہیں ہوں،ابھی تو شکوہ کر رہا تھا کہ میں مر گیا اور تیری نماز قضا گئی۔اور رات بھر تجھے زحمت دی میں نے۔تو اپنی نماز پڑھ لے۔میں تھوڑی دیر بعد مر جاؤں گا۔‘‘

غوث علی شاہؒ کو بڑی حیرت ہوئی اور پوچھا۔

’’یہ مرنا کیا ہے؟‘‘

کافر شاہ نے کہا۔’’یہ بعد میں بتاؤں گا۔وضو کر آ۔‘‘

جلدی جلدی گھبراہٹ میں وضو کر کے آئے اور کہنے لگے۔

’’بھائی کافر شاہ!کیا تم واقعی مر گئے تھے۔اگر مر گئے تھے تو زندہ کیسے ہوئے؟‘‘

کہنے لگے۔’’جیسے میں بارہ گھنٹے پہلے مر گیا تھا ویسے ہی میں پھر مر جاتا ہوں۔‘‘

اور پھر کہنے لگے۔

’’میرے پیروں سے جان نکل گئی،ٹانگوں سے نکل گئی۔‘‘

انہوں نے ہاتھ جوڑ کر بڑی منت سماجت کی کہ شہر میں جا کر مرنا۔پھر مجھے مصیبت پڑے گی۔میں تجھے کہاں نہلاؤں گا؟کہاں سے کفن دوں گا؟کس طرح دفن کروں گا؟آخر تو میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟کون سے وقت کی دشمنی نکال رہا ہے؟

کافر شاہ کہنے لگے۔

’’بھائی!حکم یہی ہے کہ یہاں پر مرنا ہے۔‘‘

غوث علی شاہؒ نے پوچھا۔’’مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟‘‘

کہا۔’’مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے اس کو بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن میرے ساتھ بہت اچھا ہوا ہے۔تو فکر نہ کر۔مرنے کی جگہ تو یہی متعین ہے۔تین بندے آئیں گے ان کے پاس بیلچہ ہوگا۔قبر کھود کر دبا دیں گے۔کفن کا کیا ہے ایک چادر تم اپنی ڈال دینا ایک ان سے لے لینا اور دفنا دینا۔‘‘

اور وہ مر گئے۔

مرنے سے پہلے غوث علی شاہؒ نے پوچھا۔

’’تم کون ہو؟کہاں سے آئے ہو؟کون سا وطن ہے؟‘‘

کافر شاہ نے کہا۔ ”یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کہ کہاں سے آئے ہو، کون سا وطن ہے۔ لوگوں نے کچھ ایسی باتیں ہم میں دیکھی ہوں گی کہ کافر شاہ کہنے لگے تو ہم نے اپنا نام ہی کافر شاہ رکھ لیا۔ ہم اتنا بتادیتے ہیں کہ ہم ایک شہزادے تھے اور ہم نے اپنی سلطنت چھوڑ کر یہ راستہ اختیار کیا اور یہاں صابر صاحبؒ کے پاس آگئے اور اللہ نے ہماری طلب سے زیادہ نعمت عطا کردی۔“

آپ کو اللہ نے جس شرف پر پیدا کیا ہے۔ آپ نے نہ اس شرف کو تلاش کیا نہ اس شرف کو کبھی اہمیت دی۔ آپ نے جب اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اشرف کو اہمیت نہ دی، اس کو تلاش نہیں کیا تو آپ اشرف المخلوقات کے دائرے میں کس طرح آئیں گے؟ لیکن پھر بھی عطا کردہ وسائل آپ سے روگردانی نہیں کرتے۔ لاکھوں کروڑوں سال کی تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ہے کہ سورج نے آپ کو کبھی دھوپ دینے سے انکار کیا ہو۔ تاریخ انسانی میں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ چاند نے آپ سے انحراف کیا ہو۔ ہوا نے انکار کیا ہو کہ میں انسان کی ضرورت پوری نہیں کرسکتی۔ سارے وسائل آپ کے پاس ہیں۔ اب جب آپ خود ہی وسائل اپنے اوپر مسلط کرتے ہیں، خود ہی اپنی نفی کرتے ہیں، خود ہی اپنے لاشعور کو رد کرتے رہتے ہیں تو محرومی آپ نے اپنے اوپر مسلط کرلی ہے، یہ محرومی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔

قلندر بابا اولیاءؒ چاہتے ہیں کہ ہر عظیمی دوست ایسا راسخ العلم ہو کہ علم اس کا مشاہدہ بن جائے اور وہ ہر آن اور ہر لمحہ باطنی اور ظاہری آنکھوں سے یہ دیکھ سکے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ ہر چیز کا حصول، ہر چیز کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے اور ہر چیز اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

روحانی علم مشاہداتی علم ہے، روحانی علم یقین ہے۔ مشاہدہ کے بغیر یقین کی تکمیل نہیں ہوتی۔

گھر میں گانا بجانا ہوتا ہے تو بچے گویے بن جاتے ہیں۔ گھر میں شاعری ہوتی ہے تو بچے شاعر بن جاتے ہیں۔ گھر میں ناچ گانا ہوتا ہے تو بچے ناچ گانا سیکھ لیتے ہیں۔ گھر میں نعت خوانی ہوتی ہے تو بچے نعتیں پڑھتے ہیں۔ گھر میں قرآن خوانی ہوتی ہے تو بچے قرآن خوانی کرتے ہیں۔ گھر میں ماں باپ نمازی ہیں تو بچے ماں باپ کی نقل کرتے ہیں۔ گھر میں علم ہو تو بچے علم حاصل کرتے ہیں۔ سلسلہ عظیمیہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ آپ علم سیکھیں۔ سائنسی علوم سیکھیں۔ مشاہداتی علم سیکھیں۔

اگر مشاہداتی نظر نہیں ہے تو انسان اشرف المخلوقات نہیں ہے۔ انسان کے اندر یقین کا پیٹرن نہیں ہے تو اس کے اندر ایمان داخل نہیں ہوتا۔ ایمان نہیں ہے تو انسان اشرف المخلوقات نہیں۔

اشرف المخلوقات اس کو کہتے ہیں جس کے اندر وہ سماعت کام کرتی ہو جس سماعت کی بنیاد پر انسان نے اللہ کی آواز سنی ہے۔ جس نے عالم ارواح میں اللہ کو دیکھا تھا۔ اور اشرف المخلوقات وہی انسان ہے جو ناسوتی نظام میں اللہ کا عرفان حاصل کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”میں تمہاری رگِ جان سے زیادہ قریب ہوں۔“

آپ کہیں گے نظر کیوں نہیں آتا جبکہ اللہ رگ جاں سے زیادہ قریب ہے۔ کوئی آدمی آپ سے یہ کہتا ہے کہ میاں تم اپنی جان سے واقف ہو۔ آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ جب آپ اپنی جان سے ہی واقف نہیں ہیں تو جان سے جو قریب ہے اس سے کیسے واقف

ہوں گے۔ جان سے مراد روح ہے۔ جان سے مراد آپ کی اصل ہے۔ جب آپ اپنی روح سے ہی واقف نہیں تو اللہ کو کیسے دیکھیں گے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''میں تمہارے اندر ہوں تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں؟''

اندر سے مراد روح ہے۔ روح کی وجہ سے ہی آپ کا مادی جسم حرکت کر رہا ہے۔ اچھل کود رہا ہے۔ کبر و نخوت کی تصویر بنا ہوا ہے۔ انسان انا کے خول میں بند ہے۔ اگر آپ روح کی حقیقت کو پالیں گے تو آپ کے اندر تکبر نہیں رہے گا۔ آپ جب اپنی روح سے واقف ہو جائیں گے تو آپ کے وجود کی اصل آپ کے سامنے آجائے گی۔ اور جب تک آپ جسمانی نظام کو ہی سب کچھ سمجھتے رہیں گے، روح پردے میں رہے گی۔

جسمانی نظام کو سب کچھ سمجھنا ہی جہالت ہے۔ یہ بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ جسمانی زندگی ہی سب کچھ ہے تو جسم فنا کیوں ہو رہا ہے۔ مٹی کے ذرات میں تبدیل کیوں ہو رہا ہے؟ جو چیز ہر لمحہ اور ہر آن فنا ہو رہی ہے اصل کس طرح ہو سکتی ہے؟

ہمارا مشن ہے کہ انسانی برادری کو ایسے تجربات سے گزارا جائے جس کے نتیجے میں وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائے کہ سب کچھ اللہ ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم سب اپنے بزرگ، اپنے باپ، اپنے جد حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی طرز فکر کے مطابق تجربات اور مشاہدات کو سامنے رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ یقین کا پیٹرن اجاگر کریں۔ جیسے جیسے یقین کا پیٹرن ہمارے اندر اجاگر ہوتا چلا جائے گا اسی مناسبت سے ہم دنیا میں رہتے ہوئے پر سکون اور خوف و غم سے آزاد زندگی میں لوٹ جائیں گے۔ جب ہم اس دنیا کی گرفت سے آزاد ہو کر یہاں رہتے ہوئے پر سکون اور خوف و غم سے آزاد زندگی میں داخل ہو جائیں گے تو ہمارے اندر یقین کا پیٹرن اتنا مستحکم ہو جائے گا جتنا ہمارے باپ (آدمؑ) اور ہماری ماں (حواؑ) کے اندر تھا۔

یاد رکھئے! جب بندہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے تو اس کے اوپر سکون، استغراق اور سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

آپ کا فرض ہے اللہ تعالیٰ کی قربت کا جو تصور آپ کے اندر بیدار اور متحرک ہو گیا ہے اسے ساری دنیا میں عام کر دیں۔ اللہ کا پیغام بلا کسی تفریق کے پوری نوع انسانی تک پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

مرکزی مراقبہ ہال، کراچی

۱۷ جنوری ۲۰۰۰ء

اظہاریہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی:

"تو ایمان لے آ تجھے جنت بھی ملے گی اور یہ دنیاوی حکومت بھی تیرے پاس رہے گی۔"

اس نے جواب دیا کہ

"میں اپنے وزیر ہامان سے مشورہ کرلوں تو جواب دونگا۔"

چنانچہ اس نے ہامان سے مشورہ کیا۔ ہامان نے کہا:

"اس وقت تُو خود رب ہے، لوگ تیری عبادت کرتے ہیں۔ لیکن جب تو بندہ بن جائے گا تو پھر تجھے خود بندگی اور اطاعت کرنی پڑے گی اور کوئی شخص تیری عبادت نہیں کرے گا۔"

یہ سن کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

مذکورہ واقعہ انسانی فطرت میں غرور و تکبر کا مظہر ہے۔ تکبر، خوشامد اور خود پسندی نے فرعون کو اللہ کی ربوبیت اور وحدانیت کے فیوض و برکات سے محروم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں۔"

(25-21)

انسان کا خود کو کسی کی اطاعت کیلئے تیار کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ تصوف میں بیعت کے معنی یہ ہیں کہ مرید اپنے آپ کو اس طرح مراد کے حوالے کردے کہ وہ اپنے شیخ کی ذات وصفات کا عکس بن جائے۔

مرشد کامل مرید کو اپنے علم و فیض کے ذریعے روحانی دنیا سے متعارف کراتا ہے۔ جس میں سالک بغیر کسی خوف و خطر، حق کی منازل طے کرتا ہے اور مرشد اسے بہت سے ایسے لاینحل مسائل الفاظ کا جامہ پہنا کر سمجھا دیتا ہے جو احاطہ تحریر میں آنے سے قاصر ہیں۔ مرشد وہ ہستی ہے جو حق کی وسیع ولا محدود حقیقتوں کے سمندر کو چند قطروں میں سمو کر اپنے علم و فن سے متلاشیان حق کو سیراب کرتا ہے۔

انفرادی طور پر ایک خود شناس شخص کی عظمت سے انکار نہیں مگر وہ کائنات کی اجتماعی سطح پر کسی کام کا نہیں ہوتا۔ جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے وہ اپنی حقیقت واصل کو پا چکا ہوتا ہے مگر جو مشاہدات اور رموز اس پر آشکارا ہو چکے ہوتے ہیں وہ ان کیفیات میں کسی

کو شریک نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی زبان باطنی واردات کو بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہے اس وجہ سے لوگ اپنی روحانی تشنگی کو بجھانے کیلئے مذکورہ شخص کے فیض سے محروم رہتے ہیں۔

پہلے پہل اگرچہ ہر انسان خود آگہی کی سطح پر پہنچتا ہے اور ایک مرشد کامل اسے بالآخر منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے۔ پھر جب عرفان و آگاہی کا پھول اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ کھلتا ہے تو اس کی مہک کائنات میں پھیل جاتی ہے اور ان لوگوں کی پیاس و بے چینی دور ہو جاتی ہے جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔

مرشد اور مرید کے درمیان ایسا روحانی ربط ہوتا ہے جو نہ ٹوٹنے والے بندھن میں بدل جاتا ہے بالآخر مرید مرشد کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے اس مقام پر تمام فاصلے اپنی حقیقت کھو دیتے ہیں اور وہ یکجائیت جنم لیتی ہے جو کائنات کا طرہ امتیاز ہے۔ فنا فی الشیخ کے اس مقام پر لازوال سکوت، بصیرت اور اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے اور سالک حق کو پا لیتا ہے۔

بلاشبہ ایمان کے ساتھ حق تک پہنچانے کا سہرا مرشد کامل ہی کو جاتا ہے جو اپنے تصرف سے سالک کو اس کی ذات کے عرفان ہی سے متعارف نہیں کرواتا بلکہ اسے نبی کریم ﷺ کی رحمت و نسبت سے عرفان الٰہی کی راہوں پر گامزن کر دیتا ہے۔

زیر نظر کتاب، مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی، خانوادہ سلسلہ عظیمیہ سے مصنف کے قلبی لگاؤ کا مظہر ہے۔ مرید و مراد کے درمیان روحانی ربط کو جس طرح قائم ہونا چاہئے اس کا جمال مصنف کی اس کاوش میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ زیر نظر کتاب سالکین کیلئے تفکر کی نئی راہیں کھول دے گی جس سے انہیں مرشد کریم کی نسبت اور فیض حاصل ہو گا۔

محمد نواب خان عظیمی

نگران مراقبہ ہال، کوئٹہ

ریفرنس

آگہی

انسان اپنے والدین، اسلاف، خاندان اور معاشرہ کے اوصاف ورثہ میں پاتا ہے اور یہ سب اقدار مل کر ہی ابتدائی طور پر اس کی شخصیت کی تعمیر کرتی ہیں۔ سماجی، معاشرتی یا طبقاتی تقسیم کسی بھی حساس ذہن کیلئے کشمکش کا باعث ہوتی ہے۔ اس صورتحال میں مذہبی تفریق ایک ناتواں شعور کیلئے ایسا گرداب بن جاتی ہے جس سے باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا اور جب مذہبی اقدار بھی معاشرے کی روایات اور ایک مخصوص سوچ میں پروان چڑھتی ہوں تو باہر سے روشنی کی کوئی کرن کسی روزن سے اندر نہیں آپاتی۔ محدود شعور ہر چیز کو اپنے تصورات کی روشنی میں دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ایک مصنوعی خول میں بند ہو جاتا ہے اور اس کی طرزِ فکر ایک معکوس زاویہ اختیار کر لیتی ہے جو حقیقی آگہی سے محروم ہوتی ہے۔

آج سے بیس برس قبل کی بات ہے جب روحانی ڈائجسٹ کے سرورق کی یہ تحریر نظر آئی۔

"یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے

اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے"

تحریر کی اس کشش سے راستے کی تفریق و اختلاف کے بجائے منزل کی براہِ راست نشاندہی ہوئی اس سے جہاں دل و دماغ کو یک گونہ سکون ملا وہاں راستے کے پیچ و خم کا خوف یکسر ختم ہو گیا۔ جریدہ کے مطالعہ سے قرآن پاک کی آیات کی روشنی میں روحانی علوم کی اصل تصویر سامنے آئی۔ ان علوم کو اس طور سائنسی انداز میں پیش کیا گیا تھا کہ ذہن بآسانی قبول کرتا چلا گیا چنانچہ چند ماہ بعد ہی دل و دماغ نے لبیک کہا اور اس قافلے میں شمولیت کی سعادت ملی۔

ظاہری عملیات، وظائف یا دیگر شعبدہ بازیاں روحانیت کا ایک تعارف بنے ہوئے ہیں لیکن سلسلہ عظیمیہ میں علم و فکر کی فراست اور منزلِ مقصود کے ادراک نے روحانی علوم کی یکسر مختلف اور اصل تصویر سے روشناس کرایا۔ روحانیت پر یہ علمی کاوش عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ علم کی کشش اور قافلے میں شمولیت کے باوجود برسوں پر محیط یہ غائبانہ تعلق، فکری وابستگی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ البتہ ادب و احترام سے بڑھ کر یہ رشتہ قلبی تعلق میں ڈھل گیا۔ پھر مرشد کریم نے خوابِ غفلت سے جگاتے ہوئے یہ جمود توڑا اور مرتبہ احسان کے مراقبہ کی تلقین فرمائی۔ چند ماہ کے اس مراقبہ سے جب شعور و حواس میں وسعت پیدا ہوئی تو محدودیت اور خود ساختہ تصورات پر مشتمل خول ٹوٹتا محسوس ہوا۔ اور جہالت کی سیاہ و دبیز چادر دل و دماغ سے اٹھتی چلی گئی۔

جو پریشان کن صورتحال سامنے آئی وہ یہ تھی کہ شعور نے لامحدود ذات کو اپنے محدود دائرہ کے اندر ایک مکمل صورت میں بسار کھا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی بھی وہم، گمان، خیال، تصور وادراک سے بالاتر ہے۔ جیسے کوئی سمندر کسی گلاس میں نہیں سما سکتا اسی طرح اللہ کی لامحدود ذات کو اپنے ذہن میں محدود دیکھنا کم علمی یا جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو اپنے شعور و حواس میں محدود کر لینے کی بجائے اپنے شعور و حواس کو وسعت دینے کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ فکر ووجدان کے ذریعے اس لامحدود ذات کی طرف رجوع کیا جاسکے جس کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا البتہ اس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے:

''نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبر دار ہے۔''

(الانعام)

اللہ تعالیٰ کو مکمل طور پر کسی نے بھی نہیں جانا ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارکہ ہے:

''پہچاننے کا جو حق ہے وہ ہم سے پورا نہیں ہوا۔''

یہاں سے لا الہ کی ایک نئی اور جامع شرح ملی کہ نہ صرف تمام باطل شرکاء اور غیر اللہ کی نفی کی جائے بلکہ اپنے محدود حواس وشعور کے اس تصور کی بھی نفی کی جائے جو الہ کے روپ میں موجود ہے تو الا اللہ کی لامحدود ذات کا سراغ ملتا ہے۔ جو اصل میں معبود حقیقی ہے۔ یہ شعور انسانی کی محدودیت ہی ہے۔ جو اسفل السافلین کا پردہ بن کر اس عالم ناسوت میں اس کی مجبوری بن گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرماتے ہیں:

''اور تو دیکھ رہا ہے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں، وہ کچھ نہیں دیکھ رہے۔''

(یٰسین)

''تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ جامد ہیں لیکن یہ بھی بادلوں کی طرح بڑھتے ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے ہر چیز کو حکمت سے استوار کیا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔''

(النمل)

اے اللہ! تو مجھے حق کو حق دکھا اور اس کے اتباع کرنے کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ قرآن پاک کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مبارکہ میں مادی حواس میں دیکھنے کی نفی موجود ہے۔ قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ امام سلسلہ عظیمیہ نے مادی حواس میں دیکھنے کو فکشن کہا ہے۔ دنیا تو بس ایک دھوکہ Illusion ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مظاہر قدرت کے روپ میں رب کی نفی کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرز فکر کی نفی کی تو یہ اسی محدود و مقید طرز فکر کی نفی تھی۔ اشیاء، مظاہر قدرت یا آج کل مال وزر کے بت جو ذہن میں غیر ارادی طور پر ایک طاقت کا روپ دھارتے ہوئے رب کی جگہ لے چکے ہیں۔ یہ شرک کی مختلف شکلیں ہیں۔ اسی طرح شعور و عقل کے تصورات میں اللہ کو محدود کر لینا جہالت ہے۔ قرآن پاک کی یہ آیات غیر اللہ سے ہمارا رخ تبدیل کر کے اللہ کی طرف موڑتی ہیں۔

’’میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔‘‘

’’کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا۔ سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔‘‘

(الانعام)

پھر جب اصل ذات سے تعلق قائم ہو جاتا ہے تو اعمال کی نسبت بھی حقیقی طرز میں ڈھل جاتی ہے۔

شعوری محدودیت اور حق و باطل کی آمیزش نے ہر دور میں عقیدہ کو اپنی عقل و خواہش کے تابع رکھا ہے۔ جیسے ہی کوئی ہادی، نبی یا رسول دنیا سے پردہ فرماتا توحید میں باطل عقائد کی آمیزش شروع کر دی جاتی۔ ہدایت کے اس سلسلے کے آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت بھی کئی گروہ توحید میں ملحدانہ عقائد کو شامل کئے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کو جتنے قریب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور جانا ہے یہ کسی اور کو نصیب نہیں اور یہ حقیقت کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔اللہ رب العزت نے معراج کی تصدیق اس طرح فرمائی:

’’جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے فوأد (قلب) نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔‘‘

(سورۃ نجم)

اللہ تعالیٰ عالمین کا پالنہار ہے۔ اور کل کائنات پر محیط ہے۔ اسی طرح سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری کائنات و عالمین کیلئے رحمت ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اللہ کو اسی طرح جانا جائے جس طرح سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جانا اور اس کی تلقین فرمائی ہے۔

یہ ایک تسلسل اور ریفرنس ہے جسے ہم اپنے ہر عمل میں معتبر جان سکتے ہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ درجہ، فضیلت، وسیلہ اور مقام ایک معتبر واسطہ ہے۔ جس کی تائید اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے:

’’جو لوگ اللہ کی محبت اور دوستی چاہتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ آپ ﷺ کی پیروی کریں اللہ انہی کو محبوب بنائے گا۔‘‘

یہاں وہ سوالیہ نشان بھی حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔ جو اس راستے میں پہلے دن سے ذہن کے ایک گوشہ میں چھپا ہوا تھا کہ کیا آج کے دور میں بھی کوئی قلندر ہو سکتا ہے؟ حقیقت کی آگہی کے اس سفر میں جب مختلف امور ایک تسلسل اور اس ریفرنس میں شرف باریابی پاتے نظر آئے تو محبت و عقیدت سے بالاتر ہو کر دل و دماغ نے اس آیت مبارکہ کی تصدیق کی۔

’’اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم اللہ کی سنت کبھی بدلتے نہ دیکھو گے۔‘‘

(الفتح)

اور اس طرح اس بات کی بھی شہادت مل گئی کہ

ہاں!

قلندر اب بھی ہوا کرتے ہیں---------

علم

انسانی شعور ارتقاء کے کئی مراحل طے کرنے کے بعد علم و کمال کے موجودہ دور میں داخل ہوا ہے۔ یہاں انسان کے اس شعور کا تذکرہ ہے جب آدم اللہ تعالی کی نافرمانی کی پاداش میں زمین پر اترے تو انہوں نے خود کو عریاں محسوس کیا اور مجبوری میں درخت کے پتوں کو اپنا لباس بنایا۔ بے بسی، مجبوری اور پستی کی یہ انتہا اسفل السافلین کی علامت ہے۔

اس سے قبل جنت کی زندگی میں آدم کو جس علم، اختیار اور مقام پر فائز کیا گیا تھا۔ اس میں وہ اللہ کے نائب کی حیثیت سے کائنات پر حکمران اور لامحدود حواس کا حامل تھا۔ اس علم کی بنیاد پر جسے علم الاسماء کہا گیا وہ اللہ کی بہترین صناعی ٹھہرا۔ قرآن حکیم میں اس کو احسن تقویم کہا گیا ہے لیکن زمین پر اترتے ہی اس علم پر ایک پردہ پڑ گیا اور آدم زاد یہاں زمان و مکان کا پابند، محدود شعور و حواس میں مجبور و بے اختیار اور وسائل کا محتاج ہو گیا۔

زمین پر آدم زاد نے جنگل و غاروں کی معاشرت سے زندگی کی ابتداء کی۔ پہاڑوں کو رہائش اور پتھر کو دیگر ضروریات زندگی کے لئے استعمال کیا جسے ہم پتھر کا دور کہتے ہیں۔ اس کے بعد انسان اپنی ضروریات و سہولتوں کیلئے دیگر وسائل کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے غور و فکر اور تحقیق و تلاش سے زمین کے اندر موجود مختلف دھاتیں تلاش کر لیں اور انہیں اپنے استعمال میں لے آیا۔ یہ شعوری ارتقاء کا دوسرا مرحلہ تھا۔

جب ذہن مختلف دھاتوں پر مرکوز ہوا تو لوہے میں انسان کو بے شمار فوائد نظر آئے اور مختلف اشیاء بننے لگیں، پہیہ ایجاد ہوا تو زماں و مکاں سمٹنے لگے اور اس سے ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوا اور انسان نے اللہ کے پیدا کردہ وسائل سے ذیلی تخلیقات کرنا شروع کیں۔

سائنس کے ابتدائی دور کی شروعات میں عمومی ترقی ہوئی اور انسان نے اشیاء کے اندر پوشیدہ صفات اور فوائد پر غور و فکر کر کے ان کی تلاش شروع کی۔ مجموعی طور پر اسے انسان کے شعوری ارتقاء کا تیسرا مرحلہ کہا جاتا ہے جو آج کے ماڈرن دور کی بنیاد بنا۔ جب انسان نے شئے کے اجزاء کا ادراک و علم حاصل کر لیا تو ان جزیات میں ایٹم دریافت ہوا۔ ٹیکنالوجی کی ابتداء سے ترقی کی رفتار اور علم و شعور کی وسعت ہوئی جس نے اسے زماں و مکاں کی پابندی سے آزاد ہونے کا راستہ دکھایا۔ جس کی مثال آواز کی رفتار سے تیز تر ذریعہ سفر اور لاسلکی نظام اطلاعات ہیں۔ ایٹم، راکٹ، میزائل، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ اس مادی ترقی کی معراج ہیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی نے کرہ ارض کو اس طور مربوط نظام میں منسلک کر دیا ہے کہ زماں و مکاں سکڑ کر رہ گئے ہیں۔

علم و شعور کے ارتقاء اور ترقی و دریافت کی ایک اور مثال انسان کے جسم کا علم ہے۔ انسانی جسم کی بیرونی ساخت کے بعد علم الابدان کے ذریعے اسے جسم کے اندر گوشت، پٹھوں، ہڈیوں، رگوں اور اعصاب کا علم ہوا۔ مزید غور و فکر سے دل، دماغ، خون وغیرہ کے نظام افعال سامنے آئے، اعضاء کی ساخت پر تحقیق کی گئی تو ہر چیز بے شمار خلیوں Cells پر مشتمل نظر آئی۔ یہ معلوم ہوا کہ ہر خلیہ میں ایک مرکزہ ہوتا ہے۔ جس میں کروموسومز ہوتے ہیں۔ کروموسومز میں جینز اور جینز کے اندر ڈی این اے (DNA) ہوتے

ہیں۔ابھی تک جو ڈی این اے دریافت ہوئے ان کی تعداد تین ارب ہے۔انسانی جینز کی امکانی تعداد اسی ہزار کے قریب ہے۔صرف دماغ ہی بارہ کھرب خلیوں پر مشتمل ہے۔

انسانی جسم کے ہر خلیہ میں اس شخص کی منفرد اور خصوصی حیاتیاتی اطلاعات موجود ہوتی ہیں۔ جس کے مجموعہ کو جنوم Genome کہتے ہیں۔جو ہر شخص کا انفرادی، منفرد اور بنیادی حیاتیاتی خاکہ ہوتا ہے۔ہر خلیہ اپنے اندر ایک مکمل وجود رکھتا ہے۔اس میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ وہ جسم کا کونسا حصہ بننا چاہتا ہے۔رب العالمین کے بنائے ہوئے نظام کے تحت ابتدائی مراحل میں ہی یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ وہ خلیہ جگر، دل، دماغ، معدہ، ہاتھ، کان یا کیا بنے۔اس تعین کے بعد اس میں باقی صلاحیتیں خوابیدہ ہو جاتی ہیں۔

(اسی تھیوری کی بنیاد پر خلیہ کے ڈی این اے سے مصنوعی طریق افزائش و پیدائش کیلئے کلوننگ ٹیکنالوجی دریافت ہوئی۔)

غرض آج انسان نے مادہ میں تفکر سے اپنے علم و شعور کو اتنی وسعت و ترقی دے دی ہے کہ وہ مادہ کی ساخت کے (Organic) اجزاء کی بنیاد مماثلت پر مصنوعی (Synthetic / Prosthetic or Inorganic) اشیاء تخلیق کر رہا ہے۔بلاشبہ وہ اللہ کے پیدا کردہ وسائل میں اللہ کی ہی عطا کردہ صلاحیت استعمال کر کے ذیلی تخلیقات کے ذریعے علم الاسماء کے مادی رخ کا مظاہرہ کر رہا ہے اور اس نے غور و فکر کے ذریعے پوشیدہ صفات کو دریافت کیا ہے اور بلاشبہ یہ مادی علم و کمال کا عروج ہے۔

قرآن حکیم ہمیں جہاں ایک ظاہری علم، ''ہم نے لوہے میں نوع انسانی کے لئے بے شمار فوائد رکھے ہیں۔'' سے روشناس کراتا وہاں ایک باطنی علم کا تعارف بھی کراتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم و حکومت عطا فرمائی۔آپ کی حکومت چرند پرند، جنات اور انسانوں پر قائم تھی۔ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہزاروں میل دور سے ملکہ سبا کا بھاری تخت چند ثانیوں میں اپنے دربار منتقل کرانا چاہا تو ایک قوی ہیکل جن نے عرض کی کہ میں آپ کی نشست برخاست ہونے سے قبل اس تخت کو دربار میں لاکر حاضر کر سکتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت حاصل ہے۔ایک انسان جسے کتاب کا علم حاصل تھا کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے قبل اس تخت کو آپ کے پاس حاضر کئے دیتا ہوں جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک بندہ سے ملاقات کا ذکر آتا ہے۔

''ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔''

ان دونوں واقعات میں دو مختلف پیغمبروں کے ساتھ دو انسانوں کا ذکر ہے جنہیں کتاب کا علم یا علم لدنی حاصل تھا۔

اس علم کی بہترین مثال اور کمال سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ معراج ہے۔ جس میں آپ ﷺ وسائل سے ماوراء اور زماں و مکاں سے آزاد ہو کر مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے۔

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔ جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔''(بنی اسرائیل)

اور اس کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سات آسمانوں، عرش، کرسی، بیت المعمور، سدرۃ المنتہیٰ، حجاب عظمت، حجاب کبریا، حجاب محمود سے ہوتے ہوئے مقام محمود پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی زیارت و ملاقات سے مشرف ہوئے۔

''تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے۔ تمہارے رفیق (محمد ﷺ) نہ رستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں اور ان کا بولنا وحی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے۔ ان کو سخت قوتوں والے، زور آور نے سکھایا۔ پھر اصلی صورت میں نمودار ہوا، اس حالت میں کہ وہ بلند کنارے پر تھے۔ پھر وہ نزدیک آیا، پھر اور نزدیک آیا۔ پس دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا یا پھر اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندہ سے باتیں کیں جو کیں۔ جھوٹ نہیں دیکھا فوأد (دل) نے جو دیکھا اور انہوں نے اس کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس رہنے کی بہشت ہے۔ جبکہ اس سدرہ پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا۔ ان کی آنکھ نہ اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' (النجم)

دراصل تمام علوم کا منبع اللہ کی ذات ہے۔ ساری کائنات، کہکشاؤں کا نظام، زمین و آسمانوں میں آباد بے شمار انواع و مخلوقات اور تمام مادی و باطنی علوم اللہ تعالیٰ کی صفات پر ہی قائم ہیں۔ یہ کائنات اللہ کے علم کا مظاہرہ ہے اور صفت علم کے اس جزو پر مشتمل ہے جو کائنات سے متعارف ہے ورنہ تو اللہ کی ذات کی طرح اس کی صفات کا بھی احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

''تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کیلئے روشنائی بن جائے تو سمندر ضرور ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگر ہم ویسا ہی سمندر اس کی مدد کیلئے اور لے آئیں۔'' (الکہف)

مادی علم۔۔۔۔۔۔مادہ اور روحانی علم۔۔۔۔۔۔روح سے تعلق رکھتا ہے۔ روح کے متعلق بیان ہے کہ یہ امر ربی ہے اور امر کی تعریف یہ کی گئی کہ وہ جب کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے 'ہو جا' اور وہ چیز واقع ہو جاتی ہے۔

''اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ اور سب ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔'' (النحل)

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر رکھی ہیں۔ اور انسانوں میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اس کے بغیر کہ ان کے پاس کوئی علم یا ہدایت ہو یا روشنی دکھانے والی کتاب ہو۔''

(لقمٰن)

انسان جیسے جیسے غور و فکر کر کے اپنے شعور کو لاشعور تک وسعت دیتا ہے اسے ان علوم اور حقائق سے آگاہی ہوتی چلی جاتی ہے جو اس کے لاشعور میں موجود ہیں۔ یہ اصول مادی و روحانی علوم میں یکساں طور پر کارفرما ہے کہ جیسے انسان مادے پر مسلسل غور و فکر کر کے اس شئے کے اندر تہہ در تہہ پوشیدہ حقائق سے واقف ہو سکتا ہے اسی طرح اگر وہ اپنی ذات میں پوشیدہ حقیقت پر غور و فکر کرے تو وہ

۔۔۔۔۔۔جسم سے روح

۔۔۔۔۔۔ناسوت سے ملکوت، جبروت، لاہوت اور

------مادہ سے روشنی،نور، تجلی

کی آگہی حاصل کر سکتا ہے۔

------نحن اقرب الیه من حبل الورید

------ اللّٰه نور السموات والارض

------اللّٰه لا اله الا هو رب العرش العظیم

اس کے مشاہدہ میں آسکتا ہے۔

فطرت

انسان اس دنیا میں کہاں سے آتا ہے ؟اور یہاں سے کہاں چلا جاتا ہے ؟ جبکہ نہ تو وہ اس دنیا میں آنے کیلئے خود مختار ہے اور نہ ہی جانے کیلئے۔ آدم زاد اس دنیا میں جب تک صرف ظاہر یعنی مادی جسم سے روشناس رہتا ہے، حقیقت سے دور رہتا ہے۔ بچے کی پیدائش کے وقت جو نام اسے دیا جاتا ہے آخر تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اسی طرح اس کی ذات میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ چند ماہ کا زید بڑھاپے تک زید ہی رہتا ہے جبکہ مادی جسم بچپن، لڑکپن، بلوغت، جوانی اور بڑھاپے میں ہمیشہ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ایسی کون سی پوشیدہ طاقت ہے جس کی بناء پر یہ حرکت اور تبدیلی مسلسل واقع ہوتی رہتی ہے ؟اور پھر ایسی کون سی کمی واقع ہو جاتی ہے جس سے مادی جسم کی یہ حرکت اچانک بند ہو جاتی ہے جسے ہم موت کا نام دیتے ہیں جبکہ آنکھ، ناک، کان، ہونٹ، زبان وغیرہ سب کچھ موجود ہوتے ہیں لیکن اب آدمی نہ تو دیکھ سکتا ہے، نہ سن سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے۔ تغیر ہمیشہ مادہ میں ہوتا ہے، حقیقت میں نہیں۔ اس لئے نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تغیر ہے اور نہ اس کی صفات میں اور نہ ہی اس کی سنت یا فطرت میں تغیر و تبدیلی آتی ہے۔

انسان کی ذات جبلت و فطرت پر مشتمل ہے جب تک آدم جبلت کا قیدی رہتا ہے مادہ یا محدود شعور کا قیدی رہتا ہے۔ جیسے کھانا، سونا، غصہ وغیرہ کھانے کا تقاضہ فطرت میں شامل ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں لیکن کمی بیشی جبلت میں شامل ہے۔ انسان کا اتنا اختیار ہے کہ وہ کم کھائے یا زیادہ۔ وہ جبلت کے اندر رہتے ہوئے خود مختار ہے کہ اس میں کمی و بیشی کرے۔ اس کے برعکس انسان کی بیشتر صفات فطرت پر قائم ہیں ان میں کمی بیشی اس کے اختیار میں نہیں مثلاً بصارت۔۔۔۔۔۔ کائنات میں تمام مخلوقات پانی کو پانی ہی دیکھتی ہیں چاہے وہ انسان ہو، حیوان ہو یا نباتات۔ ایک محدود شعور یا جانبدارانہ ذہن پانی کے خواص میں غلط معنی تو پہنا سکتا ہے لیکن اس صفت میں تغیر و تبدیلی کسی کے اختیار میں نہیں۔

آدم زاد جب جبلت و فطرت سے علیحدہ علیحدہ روشناس ہو جاتا ہے اور جبلت کا محکوم نہیں رہتا اور فطرت سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے تو اسے کائنات کے اجتماعی شعور سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے اور مخلوقات میں موجود پس پردہ ایک مخفی رشتہ اس کے سامنے آجاتا ہے پھر وہ اس رشتہ کی بنیاد پر خالق حقیقی کا تعارف حاصل کر لیتا ہے اور اسی ذات کے ذریعے دیگر مخلوقات سے اپنے تعلق کو دیکھتا ہے۔

"جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اسی کی سلطنت ہے۔ آسمانوں اور زمین کو وہی حیات دیتا ہے۔ وہی موت دیتا ہے۔ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ سب جانتا ہے۔ جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو چیز اس سے نکلتی ہے۔ جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور اس میں چڑھتی ہے۔ وہ دانا اور بینا ہے۔ وہ ظاہر ہے وہ باطن ہے۔ وہ ہر آن ہر لمحے اپنی مخلوق کے ساتھ رہتا ہے۔"

جب روح اس جسم کو چھوڑ دیتی ہے تو یہ خوبصورت مورت کچھ ہی عرصہ بعد مٹی بن جاتی ہے۔ اب جو کوئی بھی مٹی تک محدود رہتا ہے۔ وہ خسارے میں رہ جاتا ہے۔ اور جو کوئی حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے اسی کے لئے ابدی آرام و سکون ہے۔

یہ روح ہی ہے جو عالمین کا سفر کرتی ہوئی اس دنیا میں مادی جسم کو اپنا لباس بناتی ہے اور کائنات میں بے شمار انواع کے مظاہرے دراصل روح کے مختلف مظاہر ہیں۔ جمادات، نباتات، حیوانات، فرشتے، جنات اور انسان سب باشعور مخلوقات ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

''ساتوں آسمانوں اور زمین میں جتنی بھی موجودات ہیں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ تحقیق وہ ہے تحمل والا، بخشنے والا۔''

''اور ہم نے اپنی امانت پیش کی آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر۔ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے کہا کہ ہم اس امانت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔''

اب کسی باشعور مخلوق کو ہی کوئی امانت پیش کی جاسکتی ہے جو سوچ و سمجھ رکھتی ہو اور پھر انکار بھی کرے۔

''اور ہم نے ہر شئے کو معین مقداروں سے تخلیق کیا ہے۔ اور ہر چیز کے جوڑے جوڑے بنا دیئے۔''

(القرآن)

مادہ و جسم، شعور و لاشعور، جبلت و فطرت اور روح و حقیقت کے اس تمام عمل میں صرف انسان ہی ایسی مخلوق ہے جو اس میکانزم Mechanism کو سمجھ سکتی ہے جسے یہ علم عطا کیا گیا ہے جبکہ دیگر مخلوقات آگاہی کے اس شرف سے محروم ہیں اور جو کوئی روح کی اس حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے وہ علم الاسماء کا حامل بن جاتا ہے یہی آدم کا شرف ہے۔

آدمی اور انسان میں کیا فرق ہے؟ جسم و روح کا کیا رشتہ ہے؟ کائنات میں کتنے عالمین ہیں؟ زمان و مکان کیا ہے؟ نیانت و خلافت کسے کہتے ہیں؟ تسخیر کائنات سے کیا مراد ہے؟ عرفان ذات کیا ہے؟ عرفان الٰہی کیسے حاصل کیا جائے؟ یہ سب باطنی یا روحانی علوم ہیں۔ جن کے لئے کہیں باہر نہیں اپنے من میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ تمام خزانے حتیٰ کہ اللہ کی ذات بھی انسان کے اندر ہے، جسے وہ باہر تلاش کرتا ہے۔

۔۔۔۔۔۔میں تمہارے اندر ہوں

تم دیکھتے کیوں نہیں؟

مرشد کامل

روحانیت مثبت طرز فکر کا نام ہے۔ انسان کا عمل، کردار، عقیدہ کسی طرز فکر کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ محدودیت، اغراض اور انفرادیت پر مبنی سوچ انسان کے اندر بے یقینی، شک، عدم تحفظ اور ناشکری کو جنم

دیتی ہے۔ کرب، بے چینی، لالچ اور نفرت اس کی نشانیاں ہیں۔ اس کی واضح مثال مادی ترقی کے پیچھے پوشیدہ اضطراب اور بے سکونی ہے۔ کیونکہ اس ترقی کے پس پردہ ذاتی غرض اور منفی سوچ فطرت سے ہم آہنگ نہیں۔ آج کے انسان نے جتنی ترقی کی ہے اتنا ہی پریشان ہے۔ بے چینی اور ملامت آدم زاد کو اس کی روح سے دور اور شیطنت سے قریب کرتی ہے۔

اس کے برعکس کائنات میں جاری و ساری راست، مثبت اور اجتماعی طرز فکر فطرت کی علامت ہے۔ قدرت کی پیدا کردہ نشانیوں پر غور و فکر کیا جائے تو اس کے عطا کردہ وسائل سب کے لئے یکساں طور پر مہیا ہیں۔ مثبت طرز فکر کا حامل انسان خلوص، محبت اور ایثار کا پیکر ہوتا ہے۔ جس کے دل و دماغ سے سکون اور اطمینان کی روشنی پھوٹتی ہے۔ یہ سوچ ایسے خیالات کو جنم دیتی ہے جس سے وہ خوش و خرم رہتا ہے۔

یہ فکر سلیم ایسی طرز فکر ہے جو انسان کو اس کی روح سے قریب کرتی ہے اور اس کا رشتہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پسندیدہ طرز فکر کو کیسے حاصل کیا جائے؟

فطرت و حقیقت کی عملی تفسیر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی پر غور و فکر کیا جائے تو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کی بنیاد راست بازی پر قائم نظر آتی ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دشمن بھی آپ ﷺ کی صداقت و امانت کی تائید کرتے تھے۔

اس طرز فکر کے حصول اور روحانی علوم کی آگاہی کیلئے محدود شعور و حواس کی وسعت بنیادی امر ہے۔ فلسفہ اور منطق کی حدود جہاں ختم ہوتی ہے، روحانیت کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بار بار انسان کو یکسو ہو کر اپنی نشانیوں پر تفکر کی دعوت دی ہے۔

"کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے، آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا اور کیا یہ بھی انہوں نے نہیں سوچا کہ شاید ان کو زندہ رہنے کی جو مہلت دی گئی ہے اس کے پورا ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔"

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا میں عارضی طور پر سب سے الگ تھلگ ہو کر اللہ کی نشانیوں اور نظام کائنات پر غور و فکر فرماتے تھے۔ تمام ذہنی و روحانی صلاحیتوں کو ایک نقطہ پر مرتکز کر دینا تفکر ہے۔ جس سے ذہن کے بند دریچے کھلتے ہیں۔ اسی تفکر کو 'مراقبہ' کہا جاتا ہے۔

"اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کر اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔"

(المزمل)

امام سلسلہ عظیمیہ، ابدال حق، قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی روحانیت پر بے مثال تصنیف 'لوح و قلم' کی شرح میں مرشد کریم، حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں:

"روحانی علوم کی سند قرآن پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر رحمت العالمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔ تمام نعمتیں تخلیق کائنات سے متعلق اسرار و رموز، کائنات کے تسخیری فارمولے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نعمت کو جو اللہ نے ان پر پوری فرما دی ہے، تمام کی تمام قرآن میں بیان فرما دی ہے۔

ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت چاہتے ہیں تو ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق حسنہ پر عمل کرنا ہوگا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کے ضمن میں تفکر کیا ہے۔ ابھی نبوت سے سرفراز نہیں کئے گئے تھے، حضرت جبرائیل امین سامنے نہیں آئے تھے۔ لیکن تفکر کا یہ عالم تھا کہ میلوں دور غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور اللہ کی نشانیوں پر غور فرماتے تھے۔ مراقبہ کرتے تھے۔"

غار حرا میں قیام کے دوران حضرت جبرائیلؑ نے آپ ﷺ کو منصب نبوت سے آگاہ فرمایا اور غار حرا میں نزول قرآن شروع ہوا۔

حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرز فکر کے تحت وہ تمام علوم نوع انسانی کو منتقل کر دیئے جن علوم کو سیکھ کر کوئی بندہ حضور ﷺ اور اللہ سے دوستی کر سکتا ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قبل کی زندگی، نبوت و دعوت کی صبر آزما تکالیف اور کٹھن مشکلات، میدان جنگ کے مشکل مراحل یا فتح کے پر مسرت جذبات، خانگی امور، معیشت اور معاشرت کے معاملات۔۔۔۔۔ان تمام میں آپ ﷺ کا اخلاق حسنہ اللہ کی نسبت اور اس طرز فکر کی نشاندہی کرتا ہے جو اللہ کی پسندیدہ ہے۔

اس طرز کو اپنانے کیلئے ہمیں ایسے بندے کا دامن تھامنا ہوگا جو حقیقی معنوں میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم کا وارث ہو، آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا عکس اس میں نظر آتا ہو اور اس کے ذہن کی نسبت اللہ سے جڑی ہو۔

حضرت قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے ایسے بندے کی یہ نشانی بتائی ہے کہ اس کی صحبت میں ذہنی انتشار ختم ہو کر یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اور دل و دماغ کی مرکزیت 'اللہ' سے قائم ہو جاتی ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم کا وارث، مرشد کامل سالک کی ایک ایک قدم پر نگہبانی و راہنمائی کرتا ہے۔ جس سے سالک ان مقامات پر لاحق خدشات اور خطرات سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی کیفیات و مشاہدات میں ظلمت کی آمیزش نہیں ہو پاتی۔

کسی بندے کو اللہ کی معرفت نصیب نہیں ہوتی جب تک سید الوجود سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل نہ ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کے حصول کیلئے شیخ کی ذات استاد، رہنما یا مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔

چشم ماروشن۔۔۔دل ماشاد میں اللہ کے ایسے ہی ایک دوست کا تعارف ہے جو علم و آگاہی، فکر سلیم اور اخلاق حسنہ کے اوصاف کے حامل ہیں۔ جن کی صحبت میں ذہنی انتشار معدوم اور دل و دماغ یکسو ہو کر 'اللہ' کی قربت کو محسوس کرتا ہے۔

"اللہ کا رنگ۔۔۔اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔"(البقرہ)

اولیاء اللہ ان علوم کے ایسے چراغ ہیں جو نہ صرف خود روشن ہیں بلکہ دوسروں کو بھی روشنی مہیا کرتے ہیں۔ یہ قدرت کے ایسے دست و بازو ہیں جن میں معرفت و ہدایت کی مشعل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ منتقل ہوتی رہتی ہے اور جن کے متعلق ارشاد باری

تعالیٰ ہے کہ میں ان کی آنکھ، کان اور زبان بن جاتا ہوں، پھر وہ میرے ذریعے دیکھتے، سنتے اور بولتے ہیں۔ اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ غم۔

اس روحانی مشن کیلئے مرشد کریم کی 33 سالہ (بارہ ہزار ایام) پر مشتمل شب و روز کی مصروفیات و معمولات میں سے صرف 9 ایام کی ایک جھلک پیش خدمت ہے جو سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات کا عکس ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے مرشد کریم کی نسبت اور فیض ہم پر محیط فرمادے۔

آمین

محمد طارق

15 رمضان المبارک 1420 ہجری

15 دسمبر 1999ء

13مئی1998ء

کوئٹہ آمد

وادیٔ کوئٹہ

تعارفی تقریب۔I

۔۔۔'روحانی مشن'

وادیٔ ہنہ اوڑک

تعارفی تقریب۔II

۔۔۔'سلسلہ کیا ہوتا ہے'

ہنہ جھیل پر علمی نشست

۔۔۔'سیرت طیبہ ﷺ'

کوئٹہ آمد

مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی خانوادہ سلسلہ عالیہ عظیمیہ اس روحانی مشن کے لئے گذشتہ 30 سال سے شب و روز کوشاں ہیں کہ 'انسان اپنی اصل سے واقف ہو جائے اور خالق سے مخلوق کی دوستی ہو جائے' اسی مناسبت سے کوئٹہ میں آپ کو خوش آمدید کہا گیا۔ سپاسنامہ میں راوی کے یہ الفاظ اراکین سلسلہ کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

"وادی کوئٹہ میں آمد بہار کے ساتھ جہاں اس بار گلستاں میں پھول مہکے ہیں اور درخت ثمر بار ہوئے ہیں۔ وہاں برسوں بعد ایک اللہ کے دوست کی آمد سے علم و عرفان کی روشنی اہل بلوچستان کے سروں پر چھائی ہوئی ہے۔ بلاشبہ انوار و تجلیات سے دل معمور ہوئے ہیں۔ عقیدت اور محبت سے چشم براہ ہم آپ کو وادی کوئٹہ میں خوش آمدید کہتے ہیں۔"

چشم ماروشن۔۔۔دل ماشاد

الشیخ عظیمی کی آمد کے دن استقبالیہ کمیٹی نے مراقبہ ہال کی عمارت کو بڑی نفاست سے سجایا تھا۔ پھول، بینرز، ربن اور رنگ برنگی جھنڈیاں قوس قزح کا سماں پیش کر رہی تھیں۔ مہمانوں کیلئے شامیانے لگے ہوئے تھے جن پر خیر مقدمی بینرز آویزاں تھے۔ آپ کی آمد قدرے تاخیر سے متوقع تھی۔ ساتھی استقبال کی تیاریوں کو جاذب نظر بنانے میں لگے ہوئے تھے۔ مرشد کریم کے انتظار میں

بھی خوشی و مسرت نمایاں تھی۔ خواتین و حضرات کے چہرے گلنار تھے۔ خوشبودار پھولوں کے گلدستوں نے ماحول کو معطر کیا ہوا تھا۔ ہر طرف پھولوں کا رنگ اور مہک طبیعت میں تازگی پیدا کر رہی تھی۔

گاڑیوں کے قافلے میں سوار افراد آپ کو خوش آمدید کہنے کیلئے مراقبہ ہال کے نگران نواب عظیمی کی سرکردگی میں ائیر پورٹ پر موجود تھے۔ تقریباً 12 بجے دوپہر مرشد کریم نے کوئٹہ کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمایا اور معصوم مسکراہٹ اور ملکوتی سراپا کے ساتھ لاؤنج سے باہر تشریف لائے۔ حاضرین سے گلے ملے۔ خواتین و حضرات نے پھول پیش کئے۔ گلاب، چمپا اور موتیا کے پھولوں سے مرشد کریم کا سراپا چھپ گیا تو نواب خان عظیمی نے ہار اتار لئے۔ دوبارہ پھر پھولوں کے ہار بہت زیادہ ہوگئے۔ ہم سب پروانے قافلہ کی صورت میں شہر روانہ ہوگئے۔ سفر کی تھکان کے باوجود الحمدللہ مرشد کریم ہشاش بشاش تھے۔ کوئٹہ ائیر پورٹ سے روانہ ہوئے تو وادی کوئٹہ کے پہاڑوں کے سامنے نشیب سے ابھرتے ہوئے سدا بہار کے دورویہ درخت مہمانانِ گرامی کو خوش آمدید کہتے اور استقبال کرتے نظر آئے۔ کھلی ہوا اور شفاف فضاء میں آج بالخصوص یہ منظر بڑا دلفریب تھا۔ ہر شئے ہنستی اور مسکراتی نظر آرہی تھی۔

دوران سفر گفتگو کرتے ہوئے مرشد کریم نے اس امر پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ مسلمان اپنی شناخت اور تعارف کھو بیٹھے ہیں۔ آپس میں تفرقہ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ مسلمان کے تعارف کے ساتھ ہی یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ کون سے مسلمان ہیں۔ دیوبندی ہیں یا بریلوی، مقلد ہیں یا غیر مقلد۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کافر کو کافر مت کہو۔ غیر مسلم اقوام کے علماء کو برا مت کہو۔ تم ایسا کروگے تو وہ بھی تمہارے علماء کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کریں گے۔ مسلمانوں نے قراان حکیم میں اللہ پاک کے اس حکم کو بھلا کر پس پشت ڈال دیا ہے کہ اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی سے پکڑ لو۔ رسی اس طور اکٹھی ہوتی ہے کہ اس کے مختلف ریشے ایک دوسرے میں بل کھا کر جڑ جاتے ہیں۔ آپس میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے روگردانی کے نتیجہ میں مسلمان کمزور اور ذلیل و خوار ہوگئے ہیں۔

وادیٔ کوئٹہ

کوئٹہ پشتو زبان کے لفظ ''کوٹہ'' سے نکلا ہے جس کے معنی 'قلعہ' کے ہیں۔ شروع میں کوئٹہ مٹی کے ایک قلعہ پر مشتمل تھا۔ کوئٹہ کا ایک قدیم نام شال کوٹ بھی رہا ہے۔ سطح سمندر سے 5500 فٹ بلند یہ خوبصورت وادی چاروں طرف سے بلند و بالا سنگلاخ پہاڑی سلسلوں کی ایک دلفریب زنجیر میں گھری نظر آتی ہے۔ ان پہاڑوں میں چلتن، زرغون، تکتو اور کوہ مردار شامل ہیں۔ سطح سمندر سے ان پہاڑوں کی اونچائی 11500 فٹ تک ہے۔ موسم سرما میں جب برف سے یہ پیالہ نما وادی اور پہاڑ ڈھک جاتے ہیں تو یہ منظر قابل دید ہوتا ہے۔

امپیریل گزٹ آف انڈیا کے مطابق سن 1900ء میں کوئٹہ کی آبادی صرف 45 ہزار تھی جبکہ اب یہ آبادی کئی لاکھ افغان مہاجرین کو شامل کر کے غیر سرکاری طور پر 12 لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ کوئٹہ ایک کثیر الاقوام شہر ہے جہاں تقریباً 12 سے زائد زبان و نسل کے افراد آباد ہیں جن میں بلوچ، پشتون، براہوی، ہزارہ، پنجابی، افغان، سندھی، سرائیکی، ایرانی، کرد، ازبک وغیرہ شامل ہیں۔

انگریزوں کے دور میں کوئٹہ نے ایک ہل سٹیشن کے طور پر ترقی کی جسے انہوں نے دفاعی نقطہ نظر کے تحت مزید آباد کیااور یہ شہر ایک اہم فوجی چھاؤنی کی صورت اختیار کر گیا۔کوئٹہ زلزلہ کے مرکزی زون میں واقع ہے۔1935ء کے تاریخی زلزلہ میں کوئٹہ شہر تباہ ہو گیا تھا۔شہر کی اکثر آبادی ہلاک وزخمی ہوئی،بلند وبالا عمارتیں زمین بوس ہو گئیں صرف چھاؤنی کا علاقہ محفوظ رہا۔

مراقبہ ہال، کوئٹہ

شہر آتے ہوئے ہم کینٹ کے بارونق علاقے سے گزرے جہاں عسکری پارک کے علاوہ کئی قابل دید تعمیرات علاقہ کو انفرادیت بخشے ہوئے ہیں۔ان میں بلوچستان اسمبلی، ہائی کورٹ، سیرینا ہوٹل، حبیب بینک اور سٹیٹ بینک کی عمارتیں شامل ہیں۔مرشد کریم 18 سال قبل کوئٹہ تشریف لائے تھے اس وقت کوئٹہ ایک چھوٹا سا شہر تھا۔اب بے شمار نئی اور جدید آبادیاں شہر کے چاروں طرف پہاڑوں تک پھیل گئی تھی۔مرشد کریم نے کینٹ کے علاقے میں صفائی، درختوں اور پھولوں کی فراوانی اور عمارات کی تعمیر میں جمالیاتی ذوق کی بہت تعریف فرمائی۔

چند لمحوں بعد ہمارا قافلہ بولان ہوٹل میں داخل ہوا۔جہاں منتظر خواتین وحضرات نے گرمجوشی سے آپ کو خوش آمدید کہا۔آپ نے مرکزی دروازے پر افتتاحی ربن کاٹااور مراقبہ ہال کے فروغ کیلئے دعا فرمائی۔

تعارفی تقریب۔I

''روحانی مشن''

آپ کے پہلے روز کے پروگرام میں سلسلہ کے افراد سے تعارف اور شام کے وقت کوئٹہ کی مشہور ہنہ جھیل کی سیر اور وہاں ایک علمی نشست شامل تھی۔جہاز کی آمد میں تاخیر کی وجہ سے اس وقت صرف سلسلہ کی بہنوں سے تعارف ممکن ہوا۔مرشد کریم نے فرمایا کہ ''ہمارا یہ مشن انبیاء کرام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشن ہے اور اولیاء کرامؒ کا مشن ہے۔لیکن اس کام اور طرز فکر کو عالم اسلام میں اس طرح فراموش کر دیا گیا ہے کہ اگر روحانی علوم کا ذکر کیا جاتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں کہ روحانیت کیا ہے؟ حالانکہ روحانی علوم ہمیں بتاتے ہیں کہ انسان کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا؟ اللہ تعالیٰ سے اس کا کیا تعلق ہے؟ جب اسلام میں روحانیت کی اہمیت کم ہوئی اور تفرقہ بازی کا دخل زیادہ ہوا تو مسلمان قوم کا شیرازہ بکھر گیا۔مسلمان قوم غیر مسلم اقوام کی غلام بن گئی ہے۔رسول پاک ﷺ کے مشن کو فروغ دینے کیلئے اور ساری دنیا میں توحید کا پرچار کرنے کے لئے اللہ نے ہمارے اوپر ذمہ داری ڈالی ہے۔ہم سب ایک ٹیم کی طرح ہیں۔جس طرح ایک مشین میں تمام چھوٹے بڑے پرزے اہم ہوتے ہیں۔چھپائی کی

مشین میں ہزاروں من وزنی رولر کو روکنے کیلئے آدھی چھٹانک کی ایک پن لگی ہوتی ہے۔اسی طرح قافلے میں بھی تمام قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور سالار قافلہ سب کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ ٹیم ورک میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔ ہر فرد کے کام کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے۔اللہ نے بھی اپنا نظام ٹیم ورک پر تشکیل دیا ہے۔انبیاء، اولیاء، فرشتے، سورج، چاند، ستارے، بارش، کھیتی اور تمام مخلوق کے افراد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔''

یوں آپ نے ٹیم ورک کی اہمیت وافادیت سمجھائی اور متحد ہو کر مشن کے لئے کام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے سب کا شکریہ ادا کیا۔

اور فرمایا:

''میں آپ سب کی محبت اور قابل قدر کوشش دیکھ کر اور آپ سب کے درمیان خود کو پا کر بہت خوش ہوں۔''

تقریباً 4 بجے اراکین سلسلہ عظیمیہ مرشد کریم کے ہمراہ ہنہ جھیل روانہ ہوئے۔ ہنہ جھیل کوئٹہ سے شمال مشرق میں 10 کلو میٹر پر واقع ہے۔ کوئٹہ چھاؤنی کے صاف، سرسبز اور خوبصورت علاقے سے گزرتے ہوئے آپ نے یہاں لگے ہوئے گلاب کے پودوں کی بہت تعریف کی۔ موسم بہار میں گلاب کے رنگ برنگ پھول ماحول کو خوشگوار اور رنگین بنائے ہوئے تھے بلا مبالغہ کوئٹہ کینٹ کو وادی گلاب کہا جا سکتا ہے۔ جہاں ہزاروں انگلش قلمی گلاب کے پودے لگائے گئے ہیں۔ کینٹ کے آخر میں ہم کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کے پاس سے گزرتے ہوئے ہنہ کی جانب بڑھے۔ میں نے آپ کو پاکستان آرمی کے اس قابل فخر پیشہ ورانہ کالج کا تعارف کرایا جو کہ آفیسرز کی تربیت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کا معیار تربیت اتنا بلند ہے کہ دوست اسلامی وافریقی ممالک کے علاوہ یورپ کے آفیسرز بھی تربیت کے لئے یہاں آتے ہیں۔

وادیٔ ہنہ اُوڑک

وادیٔ ہنہ اوڑک کوئٹہ کی خوبصورت تفریح گاہ ہے۔ پھلوں کے باغات میں قدرتی چشموں کا بہتا پانی علاقہ کو قدرتی حسن بخشے ہوئے ہے جو سیاحوں کیلئے بہت کشش رکھتا ہے۔ وادی اوڑک کوئٹہ سے 21 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں سیب کے باغات علاقے کے لوگوں کی اس محنت وجفاکشی کا منہ بولتا ثبوت ہیں جو انہوں نے پتھریلی زمین کو باغات کے لئے موزوں بنانے کے سلسلے میں کی ہے۔ وادی اوڑک کا اصل حسن ڈیم سے آگے ''ولی تنگی'' کا علاقہ ہے جہاں پہاڑی راستے میں پتھریلی سڑک پر جیپ سفر کا واحد ذریعہ ہے۔ ولی تنگی میں چشموں اور برف کا پانی ایک بڑی جھیل میں جمع کیا جاتا ہے۔اور یہاں سے سپن کاریز کی جھیل، اوڑک کے باغات اور کینٹ میں آبنوشی کیلئے پانی تقسیم کیا جاتا ہے۔ موسم گرما میں بھی یہ صاف وشفاف پانی نہایت ٹھنڈا اور شیریں ہوتا ہے۔

پھلوں کی اقسام کے لحاظ سے کوئٹہ کو بجا طور پر ''فروٹ باسکٹ'' کہا جا سکتا ہے۔ان پھلوں میں سیب اور انگور کی اقسام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دنیا کا بہترین شیریں اور خستہ سیب ''طور کلو'' یہاں پیدا ہوتا ہے۔اسی طرح انگور، چیری، آڑو، خوبانی، انار، خربوزہ، گرما، سردا، آلو بخارا، آلوچہ اور تربوز تازہ پھلوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ جبکہ خشک میوہ جات میں پستہ، بادام، کشمش، انجیر وغیرہ شامل ہیں۔ صرف کوئٹہ میں تازہ پھلوں کی سالانہ پیداوار ایک لاکھ ٹن ہے۔

ہنہ جھیل آبی گزرگاہ کو بند باندھ کر آبپاشی کے مقصد کے لئے بنائی گئی تھی۔ جو اب تفریحی مقام میں تبدیل ہو چکی ہے۔ کوئٹہ کے شمال مشرقی پہاڑی سلسلوں سے بارش اور چشموں کا پانی یہاں جمع ہوتا ہے۔

ہم تھوڑی دیر میں ہنہ جھیل پہنچ گئے اور جھیل کے عقب میں پہاڑوں کے درمیان نشیب وفراز سے گزرنے والے راستے کو اختیار کیا جو ریسٹ ہاؤس پہنچنے کیلئے بنایا گیا ہے۔ یہاں پہاڑوں پر بے شمار درخت لگائے گئے ہیں۔ یہ علاقہ نہایت خوبصورت ہے۔ افریقی قبائل کی طرز پر تعمیر کردہ خوبصورت ریسٹ ہاؤس ہماری منزل تھا۔ اس کی گول مخروطی چھتیں جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی ہیں اور باہر دیواروں پر بانس کا خوبصورت کام کیا گیا ہے۔ جو جنگل کی طرز معاشرت کو ظاہر کرتا ہے۔ ریسٹ ہاؤس کی بڑی اور روشن کھڑکیوں سے نیلگوں جھیل اور سرخی مائل پہاڑ نہایت بھلا منظر پیش کر رہے تھے۔ مرشد کریم نے اس جگہ کو بہت پسند فرمایا۔

مراقبہ ہال کوئٹہ کی سالگرہ کی مناسبت سے چائے کا پر تکلف اہتمام کیا گیا تھا۔ ایک سال اتنی تیزی سے گزر گیا کہ پتہ ہی نہ چلا۔ مرشد کریم نے فرمایا وقت فکشن ہے۔ قرآن کریم میں روز قیامت کا ذکر ہے۔ جس میں وہ پوری دنیاوی زندگی کو دو تین دن ہی خیال کرے گا۔ روحانیت میں جب حواس کی وسعت بڑھ جاتی ہے۔ تو سالک بتدریج زماں و مکاں سے آزاد ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس لمحہ حقیقی کا ادراک کر لیتا ہے۔ جو ہے تو ایک لمحہ لیکن ازل تا ابد محیط ہے۔

II۔تعارفی تقریب

"سلسلہ کیا ہوتا ہے"

چائے سے فارغ ہو کر نگران مراقبہ ہال محترمی نواب بھائی نے کوئٹہ مراقبہ ہال کی ٹیم کا تفصیلی تعارف کرایا۔ اور ہر ایک کی خدمات سے آپ کو آگاہ کیا۔ مرشد کریم نے ساتھیوں کی خدمات پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔ اس وقت آپ کا چہرہ خوشی سے معمور تھا۔ آپ نے فرمایا:

"سلسلہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک ایسا راستہ جس میں تسلسل ہو۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات انبیاء کی تعلیمات کا تسلسل ہیں اور اولیاء کرام کی تعلیمات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا تسلسل ہیں۔

الیوم اکملت لکم دینکم

آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں مخلوق کو جتنی زیادہ نعمتیں مل سکتی تھیں وہ رسول اللہ ﷺ پر پوری ہو گئیں یعنی کوئی بندہ شعوری طور پر جتنا اللہ کی نعمتوں کو برداشت کر سکتا ہے وہ سب اللہ پاک نے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے دیں۔ اللہ کا ایک نظام ہے۔ شعار ہے۔ عادت ہے۔ اس میں نہ تو کوئی تبدیلی ہے اور نہ تعطل ہے۔ جیسے کائنات کا نظام ساڑھے تین ارب سال پہلے تھا اب بھی ہے۔ زمین کا نظام، اجرام فلکی کا نظام سب اس پر گواہ ہیں۔ جو اللہ نے نظام بنایا ہے اس میں نہ تو تبدیلی

آئی ہے اور نہ رکاوٹ۔ حضور پاک ﷺ پر جن نعمتوں کی تکمیل ہوئی ہے۔ آپ رحمت اللعالمین کی حیثیت سے ان نعمتوں کو کائنات میں تقسیم فرمارہے ہیں۔

حضور پاک ﷺ کے بعد چونکہ انبیاء کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے۔ لٰہذا سسٹم کو جاری و ساری رکھنے کیلئے رسول اللہ ﷺ کی امت کے افراد کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اولیاء اللہ کا یہ سلسلہ ایک تسلسل کے ساتھ قائم ہے۔ حضرت قلندر بابااولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو حضور پاک ﷺ کے منتخب علوم منتقل ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ قلندر بابااولیاءؒ نے قرآن پاک سمجھنے کا تذکرہ فرمایا تو میں نے آپ سے پوچھا کہ حقیقی معنوں میں قرآن پاک کو کس طرح سمجھا جاسکتا ہے؟

قلندر بابااولیاءؒ نے فرمایا:

''حضور پاک ﷺ سے سبقاً سبقاً پڑھا اور سمجھا جائے۔''

میں نے پوچھا۔

''آپ نے قرآن کس طرح سمجھا؟''

قلندر بابااولیاءؒ نے فرمایا:

''میں نے قرآن پاک سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پڑھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ ہم نے انسانوں اور جنات کو اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ ہمارا عرفان حاصل کر لیں، ہمیں جان لیں، ہمیں پہچان لیں۔ سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ اللہ کو جاننا، اللہ کو پہچاننا، اللہ سے ہم کلام ہونا، اللہ سے درخواست کرنا، اللہ کے حضور عرض پیش کرنا، کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے، مشکل تو ہے ناممکن نہیں۔ ہر فرد اس بات سے واقف ہے کہ جسم اصل نہیں ہے، روح اصل ہے۔ اور روح ازل میں اللہ کو دیکھ چکی ہے۔

انشاءاللہ دھیرے دھیرے، آہستہ آہستہ ہم اللہ سے واقف ہوں گے تو جو لوگ ہمارے قریب آئیں گے وہ بھی اللہ سے واقف ہوں گے۔ جب ہم اپنی روح سے واقف ہوں گے تو ہم اللہ سے بھی واقف ہوں گے۔ میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ اللہ نے مجھے آپ جیسی اولاد عطا فرمائی۔ اور مجھے خوش نصیب بندہ بنایا۔''

مرشد کریم کے اس عالمانہ خطاب کو تمام ساتھیوں نے نہایت یکسوئی سے سنا جب آپ کی پر خلوص اور مشفقانہ دعا پر بات ختم ہوئی تو سب ساتھی چشم پُرنم تھے۔ اس کے بعد سب بہن بھائی مرشد کریم کے ہمراہ سیر اور جھیل کے نظارے کیلئے باہر نکلے تو اس وقت تک دوپہر ڈھل چکی تھی اور سورج کی تپش پہاڑ کی بلند چوٹی کی رکاوٹ سے ختم ہو چکی تھی۔ جھیل کے پانی میں سورج کی روشنی کا سنہرا عکس فضاء کو سحر انگیز بنائے ہوئے تھا۔ سب لوگ خوبصورت پھولوں کے درمیان اونچی نیچی پگڈنڈی سے ہوتے ہوئے جھیل کے کنارے پہنچے یہاں مرشد کریم کے ہمراہ فوٹو سیشن ہوا۔

جھیل کی سیر کیلئے 'رافٹ' کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ وسیع پلیٹ فارم یا بجرہ آہنی پلوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ مرکزی پارک میں سدا بہار کے سرسبز درخت کنارے تک لگے ہوئے ہیں جو جھیل کے درمیان سے نہایت خوشگوار منظر پیش کر رہے تھے۔ سرمئی اور مٹیالے پہاڑوں سے جھلکتی ڈوبتے ہوئے سورج کی سنہری روشنی، سبزی مائل نیلگوں ہنہ جھیل کے پانی میں منعکس ہو رہی تھی۔ اس منظر سے سب مسحور سے ہو گئے تھے۔ پہاڑوں، درختوں اور اس خوابناک منظر کا عکس جھیل کے پانی میں رقصاں تھا۔ ایسے میں جب مراد کے ہمراہ بیٹھے ہوئے راوی نے ان کے چہرے پر تاثرات دیکھے تو اسے وہاں مسرت، شادمانی اور سکون کا ایک گہرا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آیا جیسے تمام بیرونی مناظر پر چھائی ہوئی رعنائی یہاں سے منعکس ہو رہی ہو۔ اس کیف اور بے خودی میں محبت و شفقت کا ایک سبک سا جھرنا اپنے اندر گرتا ہوا محسوس ہوا۔ سفر کے اختتام پر مناظر فطرت کے اس مسرت انگیز سفر کا مرشد کریم نے برملا تذکرہ فرمایا۔

سب واپس ریسٹ ہاؤس کے وسیع سرسبز لان میں تشریف لائے۔ مغرب کی نماز قائم کی۔ جھیل کے اس ماحول اور مرشد کریم کی مخصوص پرسوز آواز میں تلاوت قرآن سنتے ہوئے ہم سب اپنے رب کے حضور حاضر اور سجدہ ریز تھے۔ سب کے قلوب اطمینان و سکون کی لہروں سے معمور ہو گئے تھے۔

جن حضرات نے مرشد کریم کی قرأت سنی ہے۔ اس کا کیف وہی جانتے ہیں۔ دل یہ چاہتا ہے کہ اس مسحور کن آواز کے دائرے قیامت تک پھیل جائیں اور آدمی اس بے خودی اور کیف و مسرت سے کبھی باہر نہ آئے۔

ہنہ جھیل پر علمی نشت

"سیرت طیبہ"

نماز مغرب کے بعد محفل مراقبہ منعقد ہوئی۔ آپ کی موجودگی اور جھیل کے پر سکون ماحول میں مراقبہ میں بہت یکسوئی حاصل ہوئی۔ مراقبہ کے بعد علمی نشست منعقد ہوئی۔

اس سوال کے جواب میں کہ "روحانیت میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے سب سے بہترین اور آسان راستہ کیا ہے؟"

آپ نے فرمایا کہ قرآن حکیم کی آیت ہے:

'ربنا آتنا فی الدنیا حسنتہ و فی الاخرۃ حسنتہ و قنا عذاب النار'

اس آیت مبارکہ اور فرمان کو مشعل راہ بنا لیا جائے تو یہ سب سے آسان، متوازن اور کامیاب راستہ ہے۔ اس میں اعتدال کا سبق پوشیدہ ہے کہ دنیا کے لئے بھی محنت و کوشش کی جائے اور روحانی علوم کے لئے بھی جدوجہد کی جائے۔ نہ تو دنیا کو چھوڑا جا سکتا ہے کہ اللہ نے بنائی ہے اور نہ آخرت کو چھوڑا جا سکتا ہے کہ ہمیں بالآخر وہاں جا کر حساب دینا ہے۔ اگر ہم کھانا پینا، پہننا یہ سب کچھ چھوڑ دیں

گے تو اس دنیا میں موجود وسائل استعمال نہیں ہونگے۔اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے وسائل کی بے قدری کی جائے اور ان وسائل سے وابستہ نظام کائنات اور افراد کائنات کے بود وباش، معاش اور معاشرت میں خلل پڑے۔اسی طرح اگر ہم اپنی روح سے واقفیت حاصل نہیں کرینگے تو حقیقت سے آشنا نہیں ہونگے۔نہ صرف یہ کہ ہم اپنی حقیقت کو نہ جان پائیں گے بلکہ ہم کون ہیں، ہمیں کس نے بنایا ہے، کہاں سے آئے ہیں، کہاں جائیں گے،اس کا ہمیں علم نہیں ہوگا۔یہ دونوں نظام ریل کی پٹڑی یا گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہیں۔ترتیب، تنظیم اور توازن کے ساتھ زندگی کے ان دونوں رخوں پر ہمیں محنت کرنی چاہئے۔اس عمل سے روحانیت کا حصول انتہائی سہل اور کوشش کامیاب رہتی ہے۔

دوسرا یہ امر انتہائی اہم اور ضروری ہے کہ دنیا میں بہت زیادہ مشغول نہ ہوا جائے۔دنیا کے وسائل ضرور حاصل کئے جائیں اور انہیں استعمال بھی کیا جائے لیکن انہیں ہر وقت اپنے دل و دماغ پر سوار نہیں رکھنا چاہئے۔اور نہ ہی ان وسائل اور دنیا کو اپنا مقصد بنایا جائے۔دنیا کی چپک اتنی زیادہ نہ ہو کہ اس کو چھوڑنا تکلیف دہ اور مشکل امر بن جائے۔دنیا سے صرف اتنی وابستگی رکھی جائے جتنی اس کی ضرورت اور یہاں قیام ہے۔دنیا کی چپک جتنی زیادہ دل و دماغ میں ہوگی اتنا ہی روحانی سفر مشکل ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے گھر دیا ہے اس میں خوشی خوشی رہو اور خوش ہو کر کھاؤ پیو لیکن اس طرح کہ جب موت کا فرشتہ آئے تو بآسانی اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو جاؤ اور چلے جاؤ۔اس کے ساتھ ہی نشست کا اختتام ہوا۔اور واپسی میں مرشد کریم نے فرمایا۔

دنیا اور آخرت میں سرخرو ہونے کیلئے آپ کو گر بتاتا ہوں، رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا اتنا مطالعہ کریں کہ آپ کو حفظ ہو جائے، رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے تمام پہلو آپ کے ذہن میں نقش ہو جائیں۔جب آپ کوئی کام کریں تو یہ سوچیں کہ

ہمارے محبوب ﷺ نے کیا ہے یا نہیں ؟اگر رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے تو آپ بھی وہ کام کریں اور اگر رسول اللہ ﷺ نے وہ نہیں کیا ہے تو آپ بھی نہ کریں۔

مرشد کریم شمس الدین عظیمی کتاب ''محمد رسول اللہ ﷺ'' میں فرماتے ہیں کہ :

ایک دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ میں اللہ کی عبادت کر رہے تھے ابو جہل اپنے قبیلے کے کچھ افراد کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا۔ابو جہل کے ہاتھ میں اونٹ کی اوجڑی تھی جس میں کثیف خون اور دوسری گندگیاں بھری ہوئی تھیں۔جزیرۃ العرب میں کسی کو سزائے موت دینے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ پانی یا خون یا دوسری گندگیوں سے بھری ہوئی اونٹ کی اوجڑی کو سر پر اس طرح چڑھا دیتے تھے کہ سر اور چہرا اوجڑی کے اندر پھنس جاتا تھا اور پھر اوجڑی کے نچلے حصے کو کسی تھیلے کی طرح مضبوطی سے باندھ دیا جاتا تھا۔اس طرح ناک اور منہ مکمل طور پر اوجڑی کے غبارہ میں بند ہو جاتے تھے اور سانس رک جاتا تھا۔۔۔۔۔دم گھٹنے کے باعث جلد ہی موت واقع ہو جاتی تھی۔اس روز ابو جہل اور اس کے ساتھی یہ فیصلہ کر کے آئے تھے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اوجڑی کے ذریعے ہلاک کر دیں گے۔ابو جہل اور اس کے ساتھی جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گرد و پیش سے بے خبر اللہ کے سامنے سربسجود تھے۔ابو جہل نے اونٹ کی اوجڑی سجدہ کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر پر رکھ دی اور جلد ہی آپ ﷺ کا چہرہ اور سر اس اوجڑی میں مبتلا ہو گیا۔پھر ابو جہل نے بڑی پھرتی کے ساتھ اوجڑی کے دوسرے سرے کو ایک

تھیلی کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گردن میں باندھ دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ کوئی چیز ان کے سر پر رکھ دی گئی ہے تو انہوں نے اٹھ کر اپنے آپ کو نجات دلانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آس پاس موجود تھے۔ وہ انہیں اپنی رہائی کے لئے تگ و دو کرتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ انہیں بخوبی احساس تھا کہ سانس رکنے کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے قراری اور بے تابی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ سوچا کہ حضرت محمد ﷺ کے چہرے اور سر سے اوجڑی کا غلاف اتار دیں لیکن انہیں ابو جہل کا خوف تھا اور وہ جانتے تھے کہ اگر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کریں گے تو ابو جہل جیسے خوفناک شخص کی دشمنی مول لیں گے۔

قریش کی ایک عورت جو وہاں موجود تھی اس کربناک منظر کی تاب نہ لا سکی اور دوڑتی ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر پہنچی اور ان کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کو اطلاع دی۔ حضرت رقیہؓ سراسیمہ حالت میں روتے ہوئے خانہ کعبہ تک پہنچیں۔ ابو جہل اور دوسرے لوگوں نے جب حضرت رقیہؓ کو آتے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور حضرت رقیہؓ نے بلا تاخیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے اور سر کو اوجڑی کی گرفت سے آزاد کیا اور اپنے دامن سے ان کے چہرے کو صاف کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دم گھٹنے کے باعث ایک گھنٹہ تک حرکت کے قابل نہ ہو سکے اور اس کے بعد اپنی بیٹی کے سہارے کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت رقیہؓ کی مدد سے اپنے چہرے اور سر سے خون اور دیگر کثافت کو صاف کیا، کپڑے دھو کر سکھانے کے لئے دھوپ میں ڈال دیئے۔ اگلے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دوبارہ خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اس مرتبہ عقبہ نامی شخص نے سجدے کی حالت میں اپنی چادر ان پر ڈال دی اور اتنا شدید حملہ کیا کہ آپ ﷺ کی ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ عقبہ یہ کوشش کر رہا تھا کہ سجدے سے سر اٹھانے سے پہلے ہی پے در پے وار کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتمہ کر دے۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے آپ کو حملہ آور کے ہاتھوں سے چھڑانے میں کامیاب ہو گئے اور خون آلود چہرے کے ساتھ گھر واپس لوٹ آئے۔

صلح حدیبیہ

ایک رات سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ ادا کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب تمام مسلمانوں کے ساتھ مکہ جانے کا عزم کیا تو صحابہ نے پوچھا، کیا آپ ﷺ کا ارادہ ہے کہ مکہ پر حملہ کر دیا جائے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا، نہیں ہم صرف عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ جا رہے ہیں۔ ہجرت کے چھٹے سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دو ہزار (۲۰۰۰) (عام روایت ۱۴۰۰ افراد کی ہے) ساتھیوں کے ہمراہ مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس بار مسلمانوں کے قافلے میں کئی سو اونٹ بھی شامل تھے۔

سرداران قریش کے لئے یہ وقت بہت سخت تھا۔ وہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھے۔ اگر اجازت دے دی جائے کہ مسلمان کئی سو اونٹوں کے ہمراہ شہر میں داخل ہو جائیں تو یہ اندیشہ تھا کہ وہ مکہ پر قبضہ کر لیں گے۔ اگر دو ہزار مسلمان مکہ میں داخل ہو جائیں تو اس

بات کی کیا ضمانت ہے کہ جب وہ وہاں سے نکلیں گے تو دو ہزار سے زیادہ نہیں ہونگے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خدشات اور اندیشوں کو دور کرنے کے لئے ایک ایلچی بھیجا جو قریش مکہ کو بتائے کہ مسلمان لڑائی کے لئے نہیں آئے۔ ان کا مقصد صرف کعبہ کی زیارت کرنا ہے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، اگر مسلمان جنگ کے لئے آتے تو ہتھیار پہن کر آتے لیکن سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایلچی مکہ نہ پہنچ سکا۔ دو سو سواروں کا دستہ جس کی قیادت عکرمہ بن ابو جہل کر رہا تھا، راستہ میں مزاحم ہوا اور مسلمانوں کو پکڑ لیا۔ ایلچی اور اس کے ساتھی اونٹوں سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے بعد ریگستان میں بھٹک گئے۔ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جائیں خدائی مدد سے مسلمانوں کے قافلے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

''ذوالحلیفہ'' کے مقام پر مسلمانوں نے قربانی کے اونٹوں پر نشان لگانے کی رسم ادا کی۔ مسلمانوں نے اسی مقام پر عمرہ کے لئے احرام باندھے اور مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر قسم کے ٹکراؤ سے بچنے کے لئے ذوالحلیفہ کا پہاڑی علاقہ اختیار کیا اور مکہ کی جانب اپنا سفر جاری رکھا۔ پھر ذوالحلیفہ کی سرزمین سے گزرنے کے بعد وہ لوگ ایک انتہائی تنگ اور دشوار گزار پہاڑی علاقے میں داخل ہوئے جہاں سے اونٹوں کا گزرنا مشکل اور خطرناک تھا۔ اس پہاڑی علاقے میں مسلمانوں کو سورج کی حدت اور پیاس کی شدت کی وجہ سے بہت تکلیف ہوئی۔ لیکن انہوں نے کسی نہ کسی طرح راستہ طے کر لیا۔ اور ایسے علاقے میں داخل ہو گئے جو ''حدیبیہ'' کے نام سے مشہور تھا۔ حدیبیہ مکہ سے گیارہ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے مکہ شہر پوری طرح نظر آتا ہے۔ مکہ کے رہنے والے لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ان کے سینے میں دل تڑپ اٹھا کہ تھوڑی دیر بعد وطن کی مٹی کی سوندھی خوشبو سے جسم و جان معطر ہو جائیں گے۔

لیکن ٹھیک ایسے لمحات میں جبکہ مسلمان احترام کے جذبے اور والہانہ عشق سے مکہ پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے، پیغمبر اسلام ﷺ کا اونٹ جس کا نام ثعلب تھا چلتے چلتے رکا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اونٹ کو اٹھانا چاہا وہ اٹھ گیا لیکن اٹھنے کے بعد دو قدم پیچھے ہٹا اور دوبارہ زمین پر بیٹھ گیا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹ سے اتر آئے اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ خدا کی مرضی یہی ہے کہ ہم لوگ اس جگہ قیام کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر سارے مسلمان اونٹوں سے اتر آئے لیکن وہ بہت غمگین اور دل گرفتہ تھے۔ انہیں توقع نہ تھی کہ مکہ کی حدود میں داخل ہو کر مکہ سے باہر ٹھہرنا پڑے گا۔ یہ جگہ حدیبیہ کے علاقے میں تھی۔ موسم بہار میں پانی یہاں وافر مقدار میں ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت وہاں پانی نہیں تھا۔

مسلمانوں نے اللہ کے محبوب دوست پیغمبر اسلام رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ساتھ کئی سو اونٹ ہیں اور ہم تقریباً دو ہزار افراد ہیں۔ یہاں پانی نہیں ہے۔ ایسے خشک علاقے میں کیسے رہیں گے؟ آپ ﷺ کی خدمت میں ہماری گزارش ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں پانی میسر ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی، اے خالق و مالک اللہ! اگر تو پانی مہیا نہ کرے تو مسلمان بے اختیار حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے وہاں موجود متروک اور خشک کنویں میں اپنے ترکش میں سے ایک تیر گاڑنے کا حکم دیا۔ تیر گاڑتے ہی کنویں میں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر قریش کے لوگ اس الجھن میں پھنس گئے کہ اگر ہم مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، جزیرۃالعرب یہ سمجھیں گے کہ ہم خانہ کعبہ کے مالک بن بیٹھے ہیں اور حج وعمرہ اور زیارت کعبہ اب قریش کی مرضی سے ہوگا اور اگر محمد (ﷺ) کے بڑے قافلے کو مکہ میں آنے دیتے ہیں تو سارے عرب میں سبکی ہوگی کہ محمد (ﷺ) ہم پر غالب آ گئے۔

اس مخدوش صورت حال سے نمٹنے کے لئے انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو سفیر مقرر کیا تاکہ وہ حدیبیہ جاکر محمد (ﷺ) سے مذاکرات کرے۔ عروہ بن مسعود نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا کہ تم لوگ کس مقصد سے آئے ہو؟ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ ہم خانہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ لڑنے اور جھگڑا کرنے نہیں آئے۔ عروہ بن مسعود کو قربانی کے وہ اونٹ دکھائے جن پر قربانی کے نشان لگے ہوئے تھے۔ گفتگو کے دوران عروہ نے بڑی بدتمیزی سے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ اقدس کو ہاتھ لگایا۔ حضرت مغیرہؓ نے غضبناک ہو کر تلوار کی نوک اس کے ہاتھ میں چبھوئی اور بولے، گستاخی نہ کر ادب سے بات کر۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عروہ سے کہا، اے عروہ! اگر تو ایلچی نہ ہوتا تو اس گستاخی کی سزا میں ہم تجھے موت کی نیند سلا دیتے۔

عروہ بن مسعود جب قریش کے پاس پہنچا تو اس نے قریش کے بزرگوں سے کہا۔

"میں نے روم کا دربار اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا دربار دیکھا ہے لیکن جو وفاداری اور جاں نثاری مسلمانوں کے دلوں میں محمد (ﷺ) کے لئے ہے وہ مجھے قیصر اور نجاشی کے لئے نظر نہیں آئی۔"

عروہ بن مسعود کے بعد ایک اور شخص قریش کے سفیر کی حیثیت سے حدیبیہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے اونٹ ان کے ساتھ ہیں۔ واپس جاکر قریش سے کہا کہ میں نے قربانی کے اونٹوں کو دیکھا ہے۔ جن پر سلیقہ (قربانی کا مخصوص نشان) بنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے سنا کہ وہ حج کا مخصوص ورد پڑھ رہے تھے۔ لہٰذا اس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں کہ وہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں اور میرے خیال میں ان کے اوپر پابندی نہیں لگانی چاہئے۔ لیکن قریش مطمئن نہیں ہوئے۔

تیسری بار حلیس بن عاقمہ کو بھیجا گیا۔ حلیس جب وہاں پہنچا تو سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"قریش کے نمائندے کو آزاد چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ جہاں جانا چاہے، جائے۔ جس سے ملاقات چاہے ملاقات کرے اور جو چاہے دیکھے۔"

حلیس بن علقمہ نے بھی یہی دیکھا کہ سارے مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے لئے اپنے ساتھ اونٹ لائے ہیں۔ حلیس کو مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں کہیں جنگی ہتھیار نظر نہیں آئے۔ حلیس تیزی سے مکہ پہنچا اور قریش کے سامنے اپنے تاثرات بیان کر کے کہا:

"اے مکہ کے سردارو! میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان خانہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ ان کی نیت میں کھوٹ نہیں ہے۔ میرے خیال میں انہیں مکہ آنے کی آزادی ہونی چاہئے۔ ہر شخص کو خانہ کعبہ کی زیارت کا حق ہے۔ خانہ کعبہ کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔"

قریش کے سردار مکہ میں مسلمانوں کے داخلہ پر رضامند نہیں ہوئے۔ تو حلیس ناراض ہو گیا۔ "اگر تم نے محمد (ﷺ) اور ان کے پیروکاروں کو مکہ میں آنے اور کعبہ کی زیارت سے روکا تو میں تم لوگوں سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور تم بھی آج کے بعد مجھے اپنا اتحادی نہ سمجھنا۔"

قریش اپنی ضد پر اڑے رہے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قاصد فراش بن امیہ خزاعی کو مکہ بھیجا تاکہ وہ اہل مکہ کے خدشات کو دور کریں۔ قریش نے ان کو گرفتار کر لیا اور ان کے اونٹ کو مار ڈالا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو قاصد بنا کر مکہ بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے جب قریش سے ملاقات کی تو اہل قریش نے کہا کہ آپ ہمارے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ کعبہ کا طواف کریں اور عمرہ ادا کریں لیکن محمد (ﷺ) کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ خانہ کعبہ میں داخل ہوں۔ کور چشم قریش کی ضد اور ہٹ دھرمی سے مذاکرات ناکام ہو گئے۔ اس دوران مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

بیعت رضوان

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ جو شخص اس میں شریک ہونا چاہتا ہے وہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے کہ آخری دم تک وفادار رہے گا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی بیعت کی۔

سورۃ فتح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ:

"اور جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے، وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے، اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے، پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے برے کو اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا اللہ سے، دے گا اس کو اجر بڑا۔ (آیت نمبر ۱۰)

"بیعت رضوان" کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر درست نہ تھی۔

دو دن دو رات کے طویل مذاکرات کے بعد "سہیل بن عمرو" کو ایک وفد کی قیادت سونپ کر قریش مکہ نے حدیبیہ بھیجا تاکہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ضروری مذاکرات کرے۔ مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان "عدم جارحیت" کا معاہدہ کرے۔ حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور ان سے کہا کہ وہ معاہدے کی دستاویز تیار کریں۔ حضرت علیؓ نے لکھنا شروع کیا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سہیل بن عمرو نے فوراً ٹوکا اور بولا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ علی کو "باسمک اللھم" لکھنا چاہئے۔ کیونکہ قدیم زمانے سے ہم عربوں کا تمام معاہدے اسی نام سے شروع ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے اگلا فقرہ لکھا۔ "یہ معاہدہ ہوا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ س لم اور سہیل بن عمرو کے درمیان۔" لیکن سہیل بن عمرو نے ایک بار پھر اعتراض کیا اور کہا کہ یوں مت لکھو کیونکہ ہم محمد (ﷺ) کو خدا کا رسول نہیں مانتے اور اگر مانتے تو مکہ میں آنے سے کیوں روکتے؟ لہٰذا اس معاہدے کا آغاز یوں ہونا چاہئے۔ "یہ معاہدہ منعقد ہوتا ہے کہ محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان۔" حضرت علیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا اور آپ ﷺ نے کہا۔ "یا علی وہی لکھو جو سہیل کہتا ہے تاکہ اس کی رضامندی حاصل رہے۔" معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"باسمک اللھم۔ یہ معاہدہ منعقد ہوتا ہے محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان اور اس معاہدہ کی رو سے قریش یہ منظور کرتے ہیں کہ آئندہ دس سالوں تک مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان جنگ نہیں ہوگی اور ان دس سالوں میں اگر کوئی شخص قریش کی اجازت کے بغیر مسلمانوں سے آملے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اسے قریش کے حوالے کردیں لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر قریش کے پاس آجائے تو وہ اسے مسلمانوں کے حوالے نہیں کرینگے۔ متارکہ جنگ کے ان دس سالوں میں نہ کوئی فریق دوسرے کی جان اور مال پر تعرض کرے گا اور نہ ہی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ اس دس سالہ مدت میں قریش کو اجازت ہوگی کہ جس کے ساتھ چاہیں عہد و پیمان باندھیں اور آزادانہ معاہدہ کریں اور اپنی مرضی سے راہ و رسم بڑھائیں۔ مسلمانوں کو اس سال مکہ میں داخل ہونے اور کعبہ کی زیارت کی اجازت نہیں ہوگی لیکن اگلے سال وہ کعبہ کی زیارت کے لئے آسکتے ہیں۔ تاہم شرط یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ مکہ میں نہیں ٹھہریں گے اور تلوار کے علاوہ کوئی دوسرا ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لائیں گے۔

یہ معاہدہ ہجرت کے ساتویں سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قریش مکہ کے درمیان ہوا۔ سبھی مسلمان قریش کی طرف سے لگائی ہوئی پابندی سے دل گرفتہ تھے اور اسے اپنی توہین سمجھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے اور سوال کیا۔ یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا تم انشاءاللہ مکہ ضرور جاؤ گے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی سعادت حاصل کروگے۔

معاہدہ حدیبیہ پر دستخط ہونے کے دو دن بعد ابو جندل (ابو جندل مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کے باپ کو معلوم نہیں تھا) مکہ سے بھاگ نکلے اور حدیبیہ پہنچ کر مسلمانوں سے آملے۔ ابو جندلؓ کے حدیبیہ پہنچتے ہی سہیل بن عمرو بھی وہاں آگیا اور مسلمانوں کو مخاطب کرکے بولا، ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ کی رو سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھوں بھاگ نکلے اور تمہاری پناہ میں آجائے تو تمہارا یہ فرض ہے کہ اس کو ہمارے حوالے کردو۔ لہٰذا میرے لڑکے ابو جندلؓ کو میرے حوالے کیا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بادل نخواستہ ابو جندلؓ کو ان کے باپ کے حوالے کردیا۔

ابو جندلؓ نے ملتجی ہو کہا، یارسول اللہ ﷺ! میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا، ابو جندلؓ ڈرو نہیں اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا۔ لیکن اس واقعہ سے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور کعبہ کی زیارت سے محروم ہونے کے بعد ان کے اعصاب پر یہ دوسری کاری ضرب تھی۔ لیکن بیعت رضوان نے انہیں بے قابو نہ ہونے دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ دیکھا کہ عام مسلمان بہت ملول اور رنجیدہ ہیں تو آپ ﷺ نے انہیں جمع کر کے سورۃ فتح کی آیات سنائیں:

ترجمہ: ''اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے، جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر جانا جو ان کے جی میں تھا، پھر اتارا ان پر چین اور انعام دی ان کو ایک فتح نزدیک۔'' (آیت نمبر ۱۸)

صلح نامہ کے بعد سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ قربانی کے جانور ذبح کر دو اور سر منڈوا کر احرام کھول دو۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مرتبہ حکم دیا مگر صحابہ کرامؓ اس قدر غمگین، شکستہ دل اور رنج و غم میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس موقع پر بہت رنجیدہ ہوئے اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے اپنے دکھ کا اظہار کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اپنا اونٹ ذبح کر کے سر منڈوالیں مسلمان آپ ﷺ کی پیروی کریں گے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قربانی کر کے سر منڈوالیا تو صحابہ کرامؓ نے قربانیاں دیں اور سر منڈوا کر احرام سے نکل آئے۔

مئی 1998ء

تربیتی ورکشاپ۔ا

۔۔۔'اللہ کی طرز فکر'

کافی کی نشست

۔۔۔' تفکر قرآن'

14 مئی 1998ء

صبح مرشد کریم اجتماعی مراقبہ کے بعد سیر کے لئے گئے۔اس دوران آپ نے جہاں اس نئے علاقہ میں طرز تعمیر اور بود و باش میں گہری دلچسپی ظاہر فرمائی۔وہاں بڑی بصیرت سے مختلف امور پر گفتگو کی۔آپ سے ملنے والے حضرات نے نوٹ کیا ہے کہ آپ علم و عرفان کے رموز نہایت آسان پیرائے واشارہ میں بیان کر دیتے ہیں۔ناشتہ کے بعد ملاقات کیلئے مراقبہ ہال سے بہن بھائی آگئے۔ آج صبح کے پروگرام میں مراقبہ ہال میں کارکنان کی خصوصی ٹریننگ برائے شعبہ نشرواشاعت ولائبریری تھی جس میں مرشد کریم کا کلیدی خطاب بھی شامل تھا۔جبکہ سہ پہر کو خواتین کے مسائل وروحانی علاج کیلئے ملاقات کا وقت تھا۔

تربیتی ورکشاپ۔I

ٹریننگ کے دوران بھائی شمشیر عظیمی ساتھیوں کی ذہنی تربیت کیلئے فرما رہے تھے کہ جب آپ نیکیوں کی طرف قدم بڑھاتے ہیں تو بدی کی ساری قوتیں ایک ساتھ جمع ہو جاتی ہیں۔اور راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔لیکن ہمیں ان رکاوٹوں کو پھلانگ کر اپنے مشن پر مضبوطی سے قائم رہنا ہے اور اس کے لئے ایثار بھی کرنا ہے۔ مشن کے فروغ کیلئے عظیمی افراد کو اللہ کے فراہم کردہ وسائل سے کام لینا چاہیئے۔وسائل کی فراہمی اللہ کی بڑی عنایت اور مہربانی ہے۔

"اللہ کی طرز فکر"

نشست کے اختتام پر مرشد کریم نے شریک خواتین و حضرات سے خطاب فرمایا۔کسی بھی کوشش اور جدوجہد کا واضح مقصد انسان کے سامنے ہونا چاہیئے۔اگر کسی کام کا مقصد سامنے نہ ہو تو آدمی نتائج سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔انسان اشرف المخلوقات ہے۔اس پر لازم ہے کہ اپنے اعمال کی انجام دہی میں ایسی طرز فکر اختیار کرے کہ وہ خود بھی پر سکون رہے اور دوسرے افراد کے لئے بھی سکون کا باعث بنے۔اس کا آسان طریقہ یہ ہے۔

انسان اللہ کی مخلوق کی بے لوث خدمت کرے اس لئے کہ اللہ بھی اپنے بندوں کی خدمت کرتا ہے اور کوئی صلہ و ستائش نہیں چاہتا۔ خدمت خلق ہمارے ذہن کو اللہ کی طرز فکر سے ہم آہنگ کر دیتی ہے اور اللہ سے دوستی کا باعث بن جاتی ہے۔اللہ کی ذات خوف و غم سے ماوراء ہے۔

جب انسان اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے، اس کے اندر اللہ کے اوصاف منتقل ہو جاتے ہیں۔اور وہ اللہ کے دوستوں میں شمار ہوتا ہے۔اللہ تعالٰی کے ارشاد کے مطابق اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ غم ہوتا ہے۔

پہلی ورکشاپ کے دونوں سیشن اختتام پذیر ہوئے تو ظہرانے کا وقفہ ہوا۔خواتین و حضرات کے لئے لنگر کا انتظام تھا۔آرام کے بعد 4بجے شام خواتین کے مسائل و علاج کے لئے ملاقات شروع ہوئی۔خواتین کے مسائل بھی زیادہ ہوتے ہیں۔اور ملاقات کی خواہش مند خواتین بھی زیادہ تھیں۔تقریباً تین سو خواتین نے مرشد کریم سے بالمشافہ ملاقات کی۔شعبہ تعلقات عامہ کے نگران علاؤالدین عظیمی، عرفیہ بھابھی، نادرہ عظیمی، ناصرہ عظیمی، ڈاکٹر طاہرہ اور شمیم عظیمی نے خوش اخلاقی و شائستگی سے خواتین کی راہنمائی و مہمانداری کی۔

کافی کی نشست

”تفکر قرآن“

رات کے کھانے کے بعد کافی کی ایک نشست میں آپ نے آج مسائل کے حوالے سے ملنے والی خواتین کے مسائل کے تناظر میں عوام الناس کی اس فراموش کردہ حقیقت پر روشنی ڈالی کہ ”ہزاروں لوگوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر شکر گزار ہو، ان نعمتوں کا احساس رکھتا ہو یا ان پر قناعت کرتا ہو۔ اللہ کی دی ہوئی بے شمار نعمتوں کو فراموش کر دیا جائے اور کسی ایک یا چند خواہشات کو دل و دماغ پر حاوی کر لیا جائے۔ یہ ناشکری اور احسان فراموشی ہے۔

اللہ کریم ہمارے دل و دماغ کو یہ بصیرت اور فکر سلیم عطا فرمائے۔

آپ فرما رہے تھے کہ ہم نے غور و فکر خصوصاً قرآن حکیم میں تفکر ترک کر دیا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ صبح اٹھ کر تلاوت قرآن کی بجائے اخبار پڑھتے ہیں۔ حالانکہ صبح اٹھ کر چند آیات کا ترجمہ پڑھنا چاہئے اور ان پر غور و فکر کرنا چاہئے۔ اس کے بعد اخبار پڑھنے چاہئیں۔ سات سو سے زیادہ آیات اللہ کی نشانیوں، ارض و سماء، نظام کائنات اور قوموں کے عروج و زوال پر اہل عقل و دانش کو غور و فکر کی دعوت دے رہی ہیں۔ جب تک کوئی انسان وسعت کائنات، نظام کائنات، زماں و مکاں، موسموں اور پھلوں کے بدل بدل کر آنے اور اپنی ذات کے اندر پوشیدہ حقیقت پر تفکر نہیں کرے گا وہ فکر سلیم حاصل نہیں کر سکتا۔ روحانیت اسی فکر سلیم کا نام ہے جو قرآن میں مخفی علوم کی حامل ہے۔ اور جو حضرت آدم علیہ السلام کی نیابت و خلافت کی شناخت ہے۔ یہ علم حاصل کرنے کیلئے قرآن کی آیات کو غیر جانبدار ہو کر سمجھنا ضروری ہے۔ قرآن پاک میں کئی بار فرمایا گیا ہے کہ ”ہم نے قرآن سمجھنا آسان کر دیا ہے، ہے کوئی سمجھنے والا۔“

ایک اور بات جس کی مرشد کریم نے بار بار تاکید فرمائی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان سے اللہ اور اس کے رسول کی جنگ ہے۔ اب ہم اپنا حال دیکھ لیں۔ اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں اور اللہ ہی سے لڑائی بھی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یہ بڑا توجہ طلب مسئلہ ہے اور اس پر غور و فکر کر کے اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ہمارے مذہبی دانشوروں کو مل بیٹھ کر کوئی راستہ نکالنا چاہئے۔۔۔۔۔ کہ جب اللہ نے سود خور کو اپنا دشمن قرار دے دیا ہے تو دشمن کی نمازوں میں خشوع و خضوع کیسے پیدا ہوگا۔ حج کیسے قبول ہوگا۔ سکون کس طرح ملے گا؟

”اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بھلائی ملی اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔“(البقرہ۔269)

”وہ جو سود کھاتے ہیں۔ قیامت کے دن نہ کھڑے ہونگے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا تجارت بھی تو سود ہی کے مانند ہے تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے

لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے۔ اور وہ جواب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔"
(البقرہ۔275)

"اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکرا بڑا گناہگار۔"(البقرہ۔276)

"بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور نہ انہیں کچھ خوف ہو نہ کچھ غم۔" (البقرہ۔277)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مومن ہو۔" (البقرہ۔278)

"پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو۔" (البقرہ۔279)

یہ نشست رات 12 بجے ختم ہوئی۔

15 مئی 1998ء

صلوۃ قائم کرنا

تربیتی ورکشاپ۔II

۔۔۔'اسلام اور اخلاق حسنہ'

شام کی سیر

۔۔۔'مرکزی مراقبہ ہال'

15 مئی 1998ء

صبح 5 بجے بعد نماز فجر اجتماعی مراقبہ ہوا، آپ نے مراقبہ سے قبل اپنی مخصوص مدھر آواز میں نفی اثبات کا ذکر جہری کرایا تو ساری توجہ اللہ کی جانب ہو گئی۔ ناشتہ کے بعد ایک مرحلے پر گفتگو کے درمیان مرشد کریم کی توجہ ان مشکل اصطلاحات کی جانب دلائی گئی جو ہمارے سلسلے میں تحریری طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ راوی نے پوچھا کہ کیا ہم اپنی آسانی کیلئے ان کا ترجمہ استعمال کر سکتے ہیں، تو مرشد کریم نے دریافت کیا کہ بھئی آپ نے کیا ترجمہ کیا ہے۔ راوی نے عرض کی کہ جیسے سلسلہ عظیمیہ کی کتب و مضامین میں یہ استعمال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ماوراء الماوراء ہستی ہے۔ یہ لفظ عام فہم معلوم نہیں ہوتا اس کی جگہ ہم نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ اللہ کی ہستی کسی بھی وہم، خیال، گمان اور ادراک سے بالا تر ہے تو مرشد کریم بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ آپ نے بہت عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اصطلاحات کے ترجمے نہیں ہوتے مثلاً کشف الجو، کشف الاحقہ، عالم جو، کتاب المبین، لوح محفوظ، عالم برزخ۔۔۔ کا کیا ترجمہ کیا جائے گا؟

"صلوۃ قائم کرنا"

دیکھئے! نماز کیلئے قرآن پاک میں صلوۃ کا لفظ ہے۔ صلوۃ قائم کرو اس کا ترجمہ "نماز پڑھو" نہیں، پس صلوۃ کی حکمت پس پردہ چلی گئی۔

نماز کے ایک معنی رحمت بھی ہیں۔ یعنی نماز اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ آقائے نامدار خاتم النبیین تاجدار دو عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بہت بڑا اعجاز ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت اور بنی نوع انسان کے لئے حصول رحمت کا ایک ایسا طریقہ عطا فرمایا جس طریقہ میں انسانی زندگی کی ہر حرکت سمو دی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انسان ہر حالت میں اور زندگی کی ہر حرکت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ وابستہ رہے۔ ہم جب نماز کے اندر حرکات و سکنات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات پوری

طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی زندگی کی کوئی حرکت ایسی نہیں ہے جس کو حضورﷺ نے نماز میں شامل نہ کر دیا ہو۔۔۔۔۔ مثلاً ہاتھ اٹھانا، بلند کرنا، ہاتھ باندھنا، ہاتھوں سے جسم کو چھونا، کھڑا ہونا، جھکنا، لیٹنا، بولنا، دیکھنا، سننا، سر گھما کر ادھر ادھر سمتوں کا تعین کرنا۔ غرض زندگی کی ہر حالت نماز کے اندر موجود ہے۔ مقصد واضح ہے کہ انسان خواہ کسی بھی کام میں مصروف ہو یا کوئی بھی حرکت کرے اس کا ذہن اللہ تعالی کے ساتھ قائم رہے اور یہ عمل عادت بن کر اس کی زندگی پر محیط ہو جائے حتیٰ کہ ہر آن، ہر لمحہ اور ہر سانس میں اللہ تعالی کے ساتھ اس کی وابستگی یقینی عمل بن جائے۔

ہم جب نیت باندھتے ہیں تو ہاتھ اوپر اٹھا کر کانوں کو چھوتے ہیں اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ بات ہماری نیت میں ہوتی ہے کہ ہم یہ کام اللہ کے لئے کر رہے ہیں۔ نیت کا تعلق دماغ سے ہے یعنی پہلے ہم دماغی اور ذہنی طور پر خود کو اللہ تبارک و تعالی کے حضور پیش کرتے ہیں۔

ابتدائے آفرینش سے اب تک جتنی بھی ایجادات و ترقیات ہوئی ہیں ان کا تعلق پہلے دماغ سے ہے اور اس کے بعد ہاتھوں سے۔ جب ہم نماز کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اللہ کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اپنی تمام ذہنی اور دماغی صلاحیتیں اور ترقی و ایجادات کا رشتہ اللہ تعالی کے ساتھ قائم کر دیتے ہیں۔ یعنی یہ کہ نوع انسانی سے جو ایجادات معرض وجود میں آئی ہیں یا آئیں گی۔ ان کا تعلق ان صلاحیتوں سے ہے جو اللہ تعالی نے ہمیں عطا کی ہیں۔ ہم سبحانک اللھم پڑھ کر اللہ تعالی کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارے اندر بولنے اور بات کرنے، سوچنے اور سمجھنے کی جو صلاحیت موجود ہے وہ دراصل اللہ تعالی کا ایک وصف ہے اور ہمارے اوپر اللہ تعالی کا ایک انعام ہے۔ الحمد شریف پڑھ کر ہم اپنی نفی کرتے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ فی الواقع تمام تعریفیں اللہ تعالی ہی کو زیب دیتی ہیں اور وہی ہمیں ہدایت بخشتا ہے اور اسی کے انعام و اکرام سے فلاح یافتہ ہو کر ہم صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔

الحمد شریف کے بعد ہم قرآن پاک کی کوئی سورۃ تلاوت کرتے ہیں۔ مثلاً ہم سورۃ اخلاص (قل ھو اللہ شریف) پڑھ کر برملا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ یکتا ہے اور مخلوق یکتا نہیں ہے۔ اللہ احتیاج نہیں رکھتا، وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اللہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کہ کسی کا باپ ہے۔ اللہ کی ذات منفرد ہے، یکتا ہے، واحد ہے، لاانتہا ہے، غیر متغیر ہے اور اس کا کوئی خاندان نہیں۔ اب ہم اللہ کی بڑائی کا اقرار کرتے ہوئے جھک جاتے ہیں۔ پھر اٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ جس حالت کو لیٹنے سے قریب ترین کہا جا سکتا ہے پھر اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آخری رکعت میں کافی دیر نہایت سکون اور آرام سے بیٹھ کر ادھر اُدھر دیکھ کر سلام پھیر دیتے ہیں۔

غور و فکر کا مقام ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زندگی میں ہر وہ حرکت جو انسانوں سے سرزد ہوتی ہے سب کی سب نماز میں سمو دی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ انسان جو کچھ بھی کرے، کسی بھی حال میں رہے، اٹھے، بیٹھے، جھکے، کچھ بولے، اِدھر اُدھر دیکھے، ہاتھ پیر ہلائے، کچھ سوچے ہر حالت میں اس کا ذہنی ارتباط، اللہ تعالی کے ساتھ قائم رہے۔ قرآن پاک میں جتنی جگہ نماز کا تذکرہ ہوا ہے وہاں اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے کہ قائم کرو صلوٰۃ اور وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں صلوٰۃ وغیرہ وغیرہ پر غور کرنا ضروری ہے۔ قرآن پاک میں نماز قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ نماز پڑھو۔

نماز اور آتش پرست

نماز پڑھنے اور قائم کرنے میں بہت فرق ہے۔ قرآن کریم میں پڑھنے کے الفاظ بھی ہیں:

''اے محمد ﷺ) جو کپڑے میں لپٹ رہے ہو، رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔(سورہ مزمل)

فارسی زبان کا ایک لفظ ہے ''نماز خواندن'' یعنی نماز پڑھنا۔ یہ لفظ آتش پرستوں کے یہاں رائج ہے۔ جب وہ اپنی کتاب ''ژندواوستا'' پڑھ کر آگ کے سامنے جھکتے ہیں تو اس کو نماز خواندن یعنی نماز پڑھنا کہتے ہیں۔ عربی سے جب اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا تو یہ سہو ہوا کہ ''صلوۃ قائم کرو'' کا ترجمہ ''نماز پڑھنا'' کر دیا گیا۔ حالانکہ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق صلوۃ ہی ہونا چاہئے تھا جس طرح کلمہ طیبہ ہے، اللہ کا ترجمہ اللہ ہے، رحمان کا ترجمہ رحمان ہے، پیغمبر کا ترجمہ پیغمبر ہے، رسول کا ترجمہ رسول ہے وغیرہ وغیرہ۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق قائم کرو صلوۃ اور اردو ترجمہ کے مطابق نماز پڑھو کے معنی و مفہم میں بڑا فرق واقع ہو جاتا ہے۔

انبیاء کی طرز فکر

قانون یہ ہے کہ جب ہماری فکر اپنی پوری صلاحیتوں اور اپنی تمام تر توجہ کے ساتھ ایک نقطے کو تلاش نہ کرلے اور ہماری فکر کسی ایک جگہ پر قائم نہ ہو جائے ہم اس چیز کے صحیح مفہوم اور معنویت سے بے خبر رہتے ہیں۔ دماغی انتشار اور خیالات کی یلغار کے ساتھ ہم کوئی بھی کام کریں اس کا صحیح نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ دراصل کسی چیز کے اندر اس کا وصف اور اس وصف میں معنویت سے ہی کوئی نتیجہ مرتب ہوتا ہے مثلاً پانی سے پیاس اس لئے بجھ جاتی ہے کہ پانی کا وصف خشک رگوں کو سیراب کرنا ہے، آگ سے کھانا اس لئے پک جاتا ہے کہ آگ کا وصف یہ ہے کہ وہ اپنی حدت اور گرمی سے چیزوں کو گلا کر قابل ہضم بنا دیتی ہے۔ جب تک ہمارے ذہن میں فی الواقع کسی چیز کا وصف اور معنویت موجود نہیں ہوتی ہم اس چیز سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ صلوۃ (نماز) کی حکمت اور معنویت پر اگر غور کیا جائے تو ایک ہی بات وجہ تسکین بنتی ہے کہ نماز اللہ تعالی سے قریب ہونے کا اور اللہ تعالی کو پہچاننے کا ایک موثر اور یقینی ذریعہ ہے۔ لیکن کسی چیز کے قریب ہونا اور کسی چیز کو پہچاننا اس وقت ممکن ہے جب آدمی اس شئے کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائے۔ جب تک آدمی کسی چیز کی معنویت میں خود کو گم نہ کر دے، اس وقت تک وہ اس کی کنہ سے واقف نہیں ہوتا اور معنویت میں گم ہو جانا اس وقت ممکن ہے جب عقل و فہم اور سوچ کا ہر زاویہ کسی ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائے۔ یعنی کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے وہ شعوری اور لاشعوری طور پر اس چیز سے اپنا ایک ربط قائم کرلے۔ وہ زندگی کا کوئی کام اور زندگی کی کوئی حرکت کرے، ذہنی طور پر اس کی تمام تر توجہ اس چیز کی معنویت تلاش کرنے میں مصروف رہے۔ انبیائے کرام کے اندر یہی طرز فکر کام

کرتی تھی۔ وہ ہر کام اور ہر عمل کا رخ ارادتاً اور طبعاً اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیتے تھے۔ یعنی ان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ ہمارا ہر کام اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ انبیائے کرام نے اسی طرز فکر کی تبلیغ کی ہے اور اسی طرز فکر کو اپنانے کی پوری نوع انسانی کو ترغیب دی ہے اور اپنی ساری زندگی اسی طرز عمل میں گزاری ہے۔

اُمّت کے لئے پروگرام

تمام آسمانی صحائف اور قرآن پاک سے یہ بات ثابت ہے کہ فی الواقع انسان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''تم ہماری سماعت سے سنتے ہو، ہماری بصارت سے دیکھتے ہو، ہمارے فواد سے سوچتے ہو۔ تمہارا آنا ہماری طرف سے ہے اور تم ہماری ہی طرف لوٹ جاؤ گے۔ اللہ ہر شئے پر محیط ہے، اللہ ہی ابتداء ہے، اللہ ہی انتہا ہے۔ اللہ ہی ظاہر ہے، اللہ ہی باطن ہے۔ جہاں تم ایک ہو وہاں دوسرا اللہ ہے اور جہاں تم دو ہو وہاں تیسرا اللہ ہے۔ اللہ ہی پیدا کرتا ہے اور اللہ ہی پیدائش کے بعد پرورش کے وسائل فراہم کرتا ہے اور اللہ ہی ہے جو بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔''

ہر نبی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی امت کے لئے ایک پروگرام ترتیب دیا ہے۔ اس پروگرام میں بنیادی بات یہ رہی ہے کہ بندے کا اللہ سے ایک رشتہ قائم ہو جائے۔ انبیائے کرام نے ہمیں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس لئے تخلیق کیا ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں اور ان کا ذہنی ارتباط اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط قائم و دائم رہے۔ قربان جایئے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے محبوب پر کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم کرنے کے لئے قیام صلوٰۃ کی صورت میں ایک طریقہ متعین فرمادیا ہے۔ غور و فکر کرنے کے بعد یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نماز میں زندگی کا ہر عمل اور ہر حرکت موجود ہے گو یہ اعمال و حرکات بظاہر جسمانی ہیں لیکن ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری اور عرفان حق کا حصول ہے۔

تربیتی ورکشاپ۔II

مرشد کریم کے دورہ کوئٹہ کے تیسرے روز صبح کوئٹہ مراقبہ ہال میں شعبہ تعلقات عامہ اور شعبہ خدمت پر تربیتی نشست کے دو سیشن ہوئے مرکزی مراقبہ ہال کراچی کے شعبہ تعلقات عامہ کے سیکرٹری جناب احتشام الحق نے اپنے شعبہ کی جامع انداز میں تشریح کی اور پبلک ڈیلنگ کے اہم اور حساس نقاط کی اہمیت کو واضح کیا، آپ نے شخصیت اور کردار کی اصل بنیاد اخلاق اور طرز فکر پر بات کی اور اعتدال و نظم و نسق کی اہمیت اجاگر کی۔

"اسلام اور اخلاق حسنہ"

ٹریننگ کے اختتام پر شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے مرشد کریم نے ارشاد فرمایا:

"اسلام کی اشاعت وترویج کیلئے دورائے قائم کی جاتی ہیں، ایک یہ کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے اور دوسرا یہ کہ عمدہ اخلاق سے پھیلا ہے۔ اس دور میں ہمیں مکہ میں دو گروہ نظر آتے ہیں ایک گروہ میں امراء اور سردار نظر آتے ہیں، جن کے ہاتھ میں زیارتوں کے چڑھاوے، انتظام اور زمام کا کاروبار تھا، یہ وہ لوگ تھے جو آسودہ و پر آسائش زندگی بسر کرتے تھے۔ دوسرا گروہ محروم و مظلوم لوگوں کا تھا جن میں غلام اور کنیزیں بھی شامل تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مساوات کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے اخلاق حسنہ کی بنیاد پر معاشرت کے قیام میں دلچسپی لی۔ اخلاق حسنہ یہ ہے کہ جو کچھ اپنے لئے چاہو وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرو۔ غرباء اور مفلوک الحال طبقہ کو وسائل سے محروم رکھنا بداخلاقی کے ضمن میں آتا ہے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں پڑوسی، والدین، بیوی، بچوں، رشتہ داروں، ملک اور قوم کے حقوق کا خیال رکھنا ہے۔ گھر کا ماحول درست کرنا اولین ترجیح ہے جو بندہ گھر میں بھیڑیا ہے اس سے باہر نیک روی کی توقع کیسے کی جائے۔ اہل خانہ کا احترام نہیں تو باہر خدمت خلق کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے اثرات عارضی ہوں گے، منافقت نہیں ہونی چاہئے۔ ظاہر و باطن میں مطابقت ہونی چاہئے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ اپنائیں گے تو رسول اللہ ﷺ کی طرز فکر منتقل ہو گی اور اس کیلئے ہمیں آپ کی طرح بااخلاق، باعلم اور باعمل ہونا پڑے گا۔ رسول کریم ﷺ کا اخلاق حاصل کرنے کیلئے کتاب محمد رسول اللہ ﷺ کم از کم پانچ مرتبہ پڑھنے کی تاکید فرماتے ہوئے مرشد کریم نے آپ ﷺ کے اخلاق حمیدہ کی پیروی کو مشن کی ترویج کیلئے ضروری قرار دیا۔

خطاب کے اختتام پر مرشد کریم نے ساتھیوں کے ہمراہ ملٹری ڈیری فارم کی خوبصورت 2 منزلہ مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ اس مسجد میں خوبصورت پھول لگائے گئے ہیں جس کی کمی اکثر مساجد میں محسوس ہوتی ہے۔ پھولوں اور لطافت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ نہ جانے کیوں مساجد کو پھولوں اور درختوں سے بے نیاز کر دیا گیا ہے۔ نماز جمعہ کے بعد کھانے اور آرام کا وقفہ تھا۔ اس کے بعد مرد حضرات کے مسائل و روحانی علاج کیلئے وقت مخصوص تھا تقریباً دو سو افراد نے مرشد کریم سے ملاقات کی۔

شام کی سیر

ملاقات سے فارغ ہو کر مرشد کریم کے ہمراہ سیر کیلئے روانہ ہوئے نواب بھائی نے شہباز پارک چلنے کی تجویز دی۔ ہم شہباز پارک پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ صرف فیملیز کیلئے مخصوص ہے، نواب بھائی نے مرشد کریم کیلئے داخلے کی خصوصی اجازت حاصل کی تھی لیکن مرشد کریم نے قواعد کی خلاف ورزی پسند نہ فرمائی اور کسی دوسری جگہ چلنے کو کہا۔ قوانین کا احترام ہی ترتیب زندگی ہے جس کی پابندی سے زندگی اجتماعی طور پر سہل ہو جاتی ہے۔ ہم وہاں سے عسکری پارک روانہ ہوئے راستے میں جب نواب بھائی کولڈ ڈرنکس

لے رہے تھے تو مرشد کریم نے اپنے 39 سالوں پر محیط مشاہدات بنائے۔ قارئین یہ پڑھ کر یقیناً پر مسرت حیرانگی میں مبتلا ہوں گے کہ اس عرصہ میں مرشد کریم نے 18 لاکھ افراد کے مسائل کا حل بتایا ہے اور بیماریوں کا علاج کیا ہے۔

چند لمحوں بعد ہم عسکری پارک پہنچ گئے، راوی نے دیکھا ہے کہ آپ کراچی میں بھی سیر کیلئے جاتے ہیں اور کھلی و سرسبز جگہ بہت پسند کرتے ہیں۔ مرکزی مراقبہ ہال سرجانی ٹاؤن میں مراقبہ ہال کے اطراف میں پھول اور درخت نظر آتے ہیں اور مراقبہ ہال کو مسجد کے اندر تو بے شمار خوشنما پھول اور درخت لگے ہوئے ہیں جن میں گلاب قابل ذکر ہے اس کے علاوہ امرود، انار، ناشپاتی، آم، چیکو اور جامن کے پھلدار درخت بھی لگے ہوئے ہیں۔

مرکزی مراقبہ ہال

مرکزی مراقبہ ہال شہر کی آلودگی اور شور وغل سے بہت دور ہے نئی آبادی ہونے کی بناء پر یہ کھلے علاقہ میں واقع ہے۔ یہاں شام کو تیز ہوا چلتی ہے۔ شہروں کی ہنگامہ خیز زندگی میں روزمرہ کی مصروفیات صبح سے رات گئے تک جاری رہتی ہیں، جس سے ہمیں ذہنی، مالی، سماجی اور معاشرتی دباؤ کا سامنا رہتا ہے، معاش کی جگہ صرف دنیا اور پیسہ ہی مقصد حیات کر دل ودماغ پر اس طرح چھاگئے ہیں کہ دولت کا بت ہماری زندگی کا محور بن گیا ہے۔ اس صورتحال میں اگر چند روز مرکزی مراقبہ ہال میں گزارے جائیں تو زندگی کا روشن اور پر سکون پہلو مشاہدے میں آتا ہے یہاں محبت وخلوص تقسیم ہوتا ہے اللہ کی نسبت کا ادراک پیدا ہوتا ہے۔

راوی ان خیالات کو مرشد کریم کے ان ارشادات کے ضمن میں دیکھ رہا تھا جو آپ نے ایک بار مرکزی مراقبہ ہال میں فرمائے تھے کہ اہل دل حضرات کو مراقبہ ہال سرجانی ٹاؤن میں ضرور اطمینان قلب اور سکون محسوس ہوتا ہے، اس تناظر میں جب راوی شعوری طور پر واپس عسکری پارک میں حاضر ہوا تو مرشد کریم فرما رہے تھے کہ میں کراچی میں مراقبہ ہال کے اطراف میں ہی سیر کرتا ہوں اور فرمایا مجھے لاہور کا ریس کورس پارک بھی بہت پسند ہے۔ اس سفر میں ایک مرتبہ مرشد کریم نے فرمایا کہ سلسلہ عظیمیہ کو چند اولیائے کرام کی خصوصی نظر اور سرپرستی حاصل ہے جن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ، حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائیؒ، حضرت لعل شہباز قلندرؒ، حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ، فرید گنج شکرؒ، حضرت بری امامؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نوازؒ، حضرت شاہ دولہؒ، حضرت امام موسیٰ رضاؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ خاص طور پر شامل ہیں۔

رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے جب ہم عسکری پارک سے سیرینا ہوٹل پہنچے۔ اس فور سٹار ہوٹل کو معاشرت و ثقافت کے دیہی طرز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ بلوچستان کے دیہی علاقے میں مٹی کے گارے سے چھوٹے اور بڑے قلعہ نما مکانات تعمیر کئے جاتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی بستی "کلی" کہلاتی ہے۔ اس پورے ہوٹل کو ایک کلی کے طور پر تعمیر کیا گیا ہے۔ جس میں علاقائی طرز تعمیر، ثقافت و کشیدہ کاری اور پانی کے مقامی طرز ترسیل و نکاسی کا امتزاج دکھایا گیا ہے۔

یہاں مرشد کریم اور دیگر مہمانان گرامی جمعۃ المبارک کے روایتی کھانے میں مدعو تھے۔ مقامی باغات کی طرز پر بنائے گئے لان کے کنارے ٹیرس پر کھانے کا انتظام تھا۔ درختوں کے درمیان پختہ گزرگاہ میں اوپر سے گرتے ہوئے پانی کا شور قدرتی منظر پیش کر رہا

تھا۔ تقریباً 30 افراد کے اس نمائندہ اجتماع میں آپ نے اپنے قریب بیٹھے بلوچستان ڈوویلپمنٹ اتھارٹی کے ڈائریکٹر میجر (ر) ہارون الرشید سے گفتگو فرماتے ہوئے مسلم قوم کے انتشار، گروہ بندی اور تقسیم پر افسوس کا اظہار فرمایا۔

مرشد کریم الشیخ عظیمی نے اس موقع پر اجتماعی کوشش اور اجتماعی طرز فکر کی اہمیت کو اجاگر کیا، آپ نے فرمایا کہ اللہ بھی کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدلنا چاہے۔ انفرادی کوشش سے اجتماعی اعمال نہیں بنتے اور انفرادی اعمال پر اجتماعی فیصلے نہیں کئے جاتے۔ کچھ دیر بعد خوبصورت ماحول اور باوقار تشخص کی یہ نشست اختتام کو پہنچی۔ ہم مہمانان گرامی اور ساتھیوں سے رخصت لے کر گھر واپس پہنچے یوں ایک اور بھرپور اور منفرد دن کا اختتام ہوا۔

16 مئی 1998ء

روحانی محفل۔I

۔۔۔'تسخیر کائنات'

16 مئی 1998ء

روحانی محفل۔I

ناشتہ اور ملاقات سے فارغ ہو کر ہم تقریباً دس بجے صبح مراقبہ ہال پہنچے جہاں سلسلہ کے افراد نے آپ سے خصوصی ملاقات کی اس انفرادی ملاقات میں آپ نے مختلف مسائل کے حل تجویز فرمائے۔ ساتھی انفرادی توجہ پر اتنے پر سکون اور پر یقین نظر آرہے تھے جیسے ان کے مسائل حل ہو چکے ہوں۔ یہاں سے ہم ساڑھے گیارہ بجے ہاؤس آف نالج اکیڈمی پہنچے جہاں تسخیر کائنات پر ایک خصوصی روحانی نشست ترتیب دی گئی تھی۔

مختلف حلقہ فکر اور پیشہ ورانہ طبقات کے چیدہ چیدہ افراد اس باوقار نشست میں موجود تھے۔ مرشد کریم کی آمد پر گلاب کی پتیاں نچھاور کی گئیں آپ کے اقوال پر مشتمل خوبصورت رنگ برنگے سبز دیواروں پر آویزاں تھے اور موقع کی مناسبت سے فرشی نشست کاانتظام محفل کو ایک باوقار رنگ دیئے ہوئے تھا تقریباً 150 خواتین و حضرات کیلئے علیحدہ علیحدہ نشستیں مخصوص کی گئی تھیں۔

"تسخیر کائنات"

آپ نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔ مجھے جس موضوع پر بات کرنے کی دعوت دی گئی ہے اس کے لئے گھنٹوں، دنوں، ہفتوں نہیں بلکہ مہینوں کی مدت درکار ہے۔ ہمارے جتنے بھی دانشور ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تسخیر کائنات کیا چیز ہے تو وہ کہتے ہیں کہ سورج نکلتا ہے روشنی دیتا ہے اور اس کیلئے اللہ نے اس کو پابند کر دیا ہے۔

ان کے نزدیک یہ تسخیر ہے اگر ہم اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ سورج کا نکلنا اور ڈوبنا نوع انسانی کیلئے سورج کی تسخیر ہے تو پھر اس کے بارے میں کیا کہا جائے کہ یہ تسخیر تو مکھی، مچھر، چرند، پرند، سبھی کیلئے ہے سورج کی دھوپ سے درخت، جانور، پھول، کانٹے،

سبھی فائدہ اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ساری کائنات انسان کیلئے مسخر کر دی گئی ہے تو اس طرح سورج نکلنے میں انسان کو کیا خصوصیت حاصل ہوئی؟

شق القمر

اعلان نبوت کو آٹھ سال گزر چکے تھے۔ ایک رات ابو جہل ایک بہت بڑے یہودی عالم اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور تلوار لہراتے ہوئے کہا:

''تم سے پہلے نبیوں نے معجزات دکھائے ہیں تم بھی کوئی معجزہ دکھاؤ۔''

یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''کیا تم معجزہ دیکھ کر ایمان لے آؤ گے؟ بولو! کیا دیکھنا چاہتے ہو؟''

ابو جہل سوچ میں پڑ گیا تو یہودی عالم نے کہا:

''آسمان پر جادو نہیں چلتا۔''

ابو جہل نے آسمان کی طرف دیکھا۔ چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر چمک رہا تھا۔ ابو جہل نے کہا:

''چاند کے دو ٹکڑے اس طرح کر دو کہ چاند کا ایک ٹکڑا جبل ابو قیس اور دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان پر آجائے۔''

رسول اکرم ﷺ نے انگشت شہادت سے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا جبل قیس پر اور دوسرا ٹکڑا جبل قیقعان پر نمودار ہوا۔ حضور ﷺ نے انگشت شہادت سے دوبارہ اشارہ کیا تو چاند کے دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے۔ یہودی عالم یہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آیا۔ مگر ابو جہل نے کہا:

''محمد نے جادو سے ہماری نظر باندھ دی ہے۔''

شق القمر کی گواہی قافلے کے مسافروں نے بھی دی جو مکہ کی طرف سفر کر رہے تھے۔

۔۔۔(قارئین کرام کی دلچسپی کیلئے معجزہ شق القمر کی سائنسی و روحانی توجیہ مرشد کریم الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی کی تالیف کردہ کتاب محمد رسول اللہ ﷺ (جلد دوم) سے پیش خدمت ہے:)

سائنسی توجیہ

اجرام فلکی میں سے چاند، زمین سے قریب ترین ہے۔ زمین سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے۔ چاند کا قطر کم و بیش اکیس سو میل ہے۔ چاند کے مادے کی مقدار (Mass) زمین کے مادے کی مقدار سے ۸۰ گنا کم بنائی جاتی ہے۔ جبکہ زمین کی کشش ثقل چاند کے مقابلے میں چھ گنا ہے۔

سائنس دانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ تقریباً پانچ ارب سال پہلے چاند اور زمین ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ شروع میں زمین کو اپنے محور کے گرد گھومنے میں ۴ گھنٹے ۴۵ منٹ کا وقت لگتا تھا، اب ۲۴ گھنٹے میں گھومتی ہے۔

چاند زمین کے گرد گردش کے دوران مختلف مدارج سے گزرتا ہے۔ گردش کے ابتدائی ایام میں چاند کا جتنا حصہ سورج کی روشنی سے منور ہوتا ہے اسے ہلال کہتے ہیں۔ ہر رات اس کے روشن حصہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ ۱۴ دنوں میں چاند پورا ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ چاند گھٹنا شروع ہوتا ہے اور بالآخر آسمان پر سے غائب نظر آتا ہے۔ یہ پورا چکر تقریباً ساڑھے ۲۹ دنوں میں پورا ہوتا ہے اور ہر ماہ نیا چاند مغربی افق پر نمودار ہو جاتا ہے۔

چاند کی سطح جو انسانی آنکھ سے اوجھل رہتی ہے۔ مصنوعی سیاروں کی مدد سے اس کی تصاویر حاصل کی گئی ہیں۔ چاند کی یہ سطح زیادہ تر پہاڑوں پر مشتمل ہے۔

انسانی آنکھ سے روشن چاند کی سطح پر نظر آنے والے داغ دھبے دراصل ہموار ریگستانی میدان ہیں جو گرد و پیش کی اونچائیوں سے نیچی سطح پر واقع ہیں اور روشنی کا انعکاس نہ کرنے کی وجہ سے یہ تاریک نظر آتے ہیں۔

اپالو مشن کی پروازوں کے دوران مئی 1967ء میں Orbitter-4 راکٹ سے چاند کے چھپے ہوئے رخ کی تین ہزار کلو میٹر کی بلندی سے تصاویر لی گئیں۔ ان تصویروں میں ۲۴۰ کلو میٹر طویل اور کئی مقامات پر ۸ کلو میٹر چوڑی دراڑ دیکھی گئی ہے۔

چاند کی کشش سے سمندر کی لہروں میں مدو جزر اٹھتے ہیں۔ چاند، سورج سے ۴۰۰ گنا چھوٹا ہے۔ زمین کے گرد اپنے بیضوی مدار پر گردش کرتے ہوئے چاند جب زمین کے قریب سے گزرتا ہے اور زمین اور سورج کے بیچ میں آجاتا ہے تب سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ پاتی۔ یہ سورج گرہن ہے۔ چاند گرہن کے وقت زمین سورج اور چاند کے بیچ میں آجاتی ہے۔

روحانی آنکھ سے نظر آنے والا چاند اس کے برعکس ہے جو ٹیلی اسکوپ دیکھتی ہے۔ روحانی آنکھ سے نظر آتا ہے کہ چاند پر پہاڑ، جھیلیں، تالاب اور ریگستان ہیں۔ تالاب اور جھیلوں کے پانی میں پارے کا عنصر غالب ہے اور یہ پانی پارے کی طرح چمکدار ہے۔ چاند پر جنات کی مخلوق کی آمد و رفت رہتی ہے۔

چاند کی فضاء میں گیس کی بُو ایسی ہے جیسے ویلڈ نگ کرتے وقت بُو آتی ہے۔ چاند کی زمین پر چہل قدمی کرتے وقت جسم لطیف محسوس ہوتا ہے۔ اتنا لطیف جو ہوا میں آسانی سے اڑ سکتا ہے۔ لیکن لطیف ہونے کے باوجود جسم ٹھوس ہوتا ہے۔ چاند پر کوئی مستقل آبادی نہیں ہے۔ چاند ایک سیر گاہ ہے جہاں جسم مثالی جا سکتا ہے۔ دنیا کا کوئی فرد اس وقت تک چاند میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ جسم مثالی سے واقف نہ ہو بلکہ اپنے ارادے اور اختیار سے جسم مثالی کے ساتھ سفر کر سکتا ہو۔

روحانی توجیہ

شعوری دنیا کے اوپر تفکر سے یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ زمینی دنیا میں ہر مخلوق دو شعور رکھتی ہے یا زندگی گزارنے کی دو طرزیں متعین ہیں۔ حواس کی ایک قسم یہ ہے کہ آدمی کھلی آنکھوں، حاضر دماغ اور مادی وجود کی حرکت کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ زندگی گزارنے کی دوسری طرز یہ ہے کہ ہر مخلوق بند آنکھوں، غیر حاضر دماغ اور جسمانی اعضاء کی حرکت کے بغیر زندگی گزارتی ہے اور ان دونوں زندگیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مخلوق جو زندگی شعور میں گزارتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے نہار یا دن کہا ہے اور مخلوق جو زندگی شعور سے باہر ہو کر گزارتی ہے اس کو قرآن نے لیل یا رات کہا ہے۔

باطن الوجود میں ایک ایجنسی ہے جو اطلاعات کو قبول کرتی ہے، تبدیل کرتی ہے یا رد کر دیتی ہے۔ ایجنسی جس پر اطلاعات میں معانی پہنانے کا دارومدار ہے جب شعوری حواس کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان کی نگاہ دن کو دیکھتی ہے اور جب معانی پہنانے والی ایجنسی پر شعور کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے اور لاشعوری تحریکات شروع ہو جاتی ہیں تو انسان رات دیکھتا ہے۔

آدمی کسی بھی لمحے حواس سے آزاد نہیں ہوتا۔ جب شعوری حواس کا غلبہ نہیں رہتا تو لاشعوری حواس غالب ہو جاتے ہیں۔

ترجمہ: ''ہم داخل کرتے ہیں رات کو دن میں اور داخل کرتے ہیں دن کو رات میں''

''اور ہم نکالتے ہیں رات کو دن میں سے اور نکال لیتے ہیں دن سے رات''

''ہم ادھیڑ لیتے ہیں رات پر سے دن کو''

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات میں یہ بات سنائی گئی ہے کہ رات اور دن دو حواس ہیں۔ یعنی ہماری زندگی دو حواسوں میں سفر کرتی ہے۔ ایک حواس کا نام دن ہے دوسرے حواس کا نام رات ہے۔ دن کے حواس میں نام زمان و مکان کے پابند ہیں اور رات کے حواس میں ہم زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو کائنات پر حاکمیت عطا کی ہے۔ حاکمیت سے مراد یہ ہے کہ دن، رات، چاند، سورج اور ستاروں پر بھی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حکمران ہیں۔

ترجمہ: ''اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔''

(النحل)

ترجمہ: ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے وہ سب کچھ تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے اور اسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا۔ بیشک اللہ لوگوں کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔''

(الحج)

ترجمہ: "کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر رکھی ہیں اور انسانوں میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو یا ہدایت ہو یا کوئی روشنی دکھانے والی کتاب ہو۔"

(لقمٰن)

ترجمہ: " وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔ اس نے آسمانوں اور زمین کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے، سب کچھ اپنے پاس سے، اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔"

(الجاثیہ)

حضرت علیؓ کی نماز قضا ہوئی اور ابو جہل اور یہودی عالم نے شق القمر کے معجزے کے بارے میں کہا تو حاکم کائنات سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اختیارات کا استعمال کیا جو اللہ نے انہیں سورج کو مسخر کرنے، چاند کو مسخر کرنے اور کائنات کو مسخر کرنے کیلئے عطا فرماتے ہیں۔

تسخیر کائنات کا مطلب ہے کہ آپ اپنے ارادے سے کسی چیز کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کریں جو کائنات میں عموماً و خصوصاً ممکن نہ ہو اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں میں کنکریوں نے کلمہ پڑھا اور جتنے لوگ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے سنا۔

مسجد نبوی ﷺ میں اس درخت کے تنے کو جس کے سہارے لگ کر آپ خطبہ دیتے تھے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے اس طرح سنا جیسے ماں کے بغیر کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہے۔ حضور ﷺ اس درخت کے پاس تشریف لے گئے اس پر ہاتھ پھیرا تو درخت نے رونا بند کر دیا۔

حضور ﷺ کی خدمت میں ایک نجومی حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر آپ کے پاؤں تلے یہ پہاڑ موم ہو جائے اور آپ کے پائے مبارک کا نقش اس پہاڑ پر آ جائے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پاؤں مبارک پہاڑ پر رکھا تو پہاڑ موم بن گیا اور اس جگہ پر نقش بن گیا جیسے ہی یہ عمل ہوا نجومی نے آسمان کی طرف دیکھا اور ایمان لے آیا۔ لوگوں نے نجومی سے پوچھا کہ اس نے حضور ﷺ سے یہ معجزہ کیوں طلب کیا تو اس نے بتایا کہ آسمان پر ایک ستارہ ہے جب اس کا سایہ کسی شخص پر پڑتا ہے تو اس کے پاؤں تلے پہاڑ موم ہو جاتا ہے۔ میرے حساب سے وہ ستارہ یہاں سے ایک لاکھ کچھ سال کے فاصلے پر تھا لیکن جب حضور ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر پاؤں مبارک پہاڑ پر رکھا تو اناً فاناً وہ ستارہ وہاں سے چل کر حضور ﷺ پر سایہ فگن ہوا اور پھر واپس اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے کہ سورج ڈوب گیا اور حضرت علیؓ کی نماز قضا ہو گئی کیونکہ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آرام میں مخل ہونا مناسب نہ سمجھا لیکن آپؓ ملول سے ہو گئے جب

حضور ﷺ بیدار ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افسردہ دیکھا اور واقعہ سنا تو سورج کو حکم دیا کہ وہ واپس پلٹ آئے، سورج واپس بلند ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نماز ادا کی تب سورج غروب ہوا۔ یہ وہ تسخیر کائنات ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے سورج، چاند، ستارے، شجر، زمین، آسمان سب کو مسخر کر دیا ہے۔

اللہ نے چاند کی ڈیوٹی لگادی ہے کہ وہ مخلوق کو چاندنی مہیا کرے تاکہ پھلوں اور اجناس وغیرہ میں مٹھاس پیدا ہو لیکن یہ تسخیر نہیں کیونکہ یہ تسخیر تو تمام مخلوقات کے لئے موجود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ دریائے نیل طغیانی کے بدلے ہر سال ایک انسانی جان کی بھینٹ لیتا ہے۔ ورنہ سیلاب آجاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خط لکھا اور کہا کہ یہ خط دریا میں ڈال دینا خط میں لکھا کہ امیر المومنین عمر فاروقؓ کی طرف سے دریائے نیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ اے نیل امیر المومنین تیری اس سرکشی کو تسلیم نہیں کرتا، تجھے اس کی سزا دی جائے گی اگر تو اپنے حکم سے چلتا ہے تو عمرؓ کا کوڑا تیرے لئے کافی ہے اور اگر تو اللہ کے حکم سے چلتا ہے تو آئندہ ایسی حرکت مت کرنا۔ چودہ سو سال گزر گئے ہیں دریائے نیل میں دوبارہ طوفان نہیں آیا۔ پانی سے کھیتوں کو سیراب کرنا اس کو تسخیر نہیں کہتے، تسخیر اس چیز کو کہتے ہیں کہ اس میں ایسی تبدیلی کر دیں جو کسی دوسری طرح ممکن نہ ہو اور یہ تسخیر اس وقت ممکن ہے کہ جب آپ کے اندر اللہ کا امر سرایت کر جائے اور امر جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز واقع ہو جاتی ہے۔

ایک معزز مہمان کے سوال پر مرشد کریم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے انسان کو بجنی مٹی سے بنایا ہے۔ بجنی مٹی کا مطلب خلاء ہے ہم اپنے مادی جسم کو دیکھیں تو ہر چیز اندر سے خالی ہے جیسے ہڈیاں، کھوپڑی، ناک، حلق، آنکھیں اور مسامات۔ پوری انسانی آبادی باڈی خلاء پر مشتمل ہے پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور اس میں اپنی روح ڈال دی جب تک انسان خلاء تھا اس کے اندر آواز نہیں تھی اور جب اس خلاء میں روح داخل ہو گئی تو اس میں آواز بھی پیدا ہو گئی اور حرکت بھی پھر جب انسان مر جاتا ہے تو سارے اعضاء موجود ہونے کے باوجود حرکت نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں سے روح نکل جاتی ہے اس کا ایک ہی مطلب ہوا کہ مادی وجود اصل انسان نہیں اصل انسان ہمارے اندر موجود ہماری روح ہے اور جب ہم اپنی اصل سے واقف ہو جائیں گے تو ہم حقیقت سے آشنا ہو جائیں گے اور جب تک مادی وجود کے چکر میں رہیں گے ہم اپنے آپ کو دھوکہ دیتے رہیں گے۔

تسخیر کائنات میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جتنے معجزے صادر ہوئے ہیں ان میں ان علوم کی نشاندہی ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریائے نیل کے نام خط لکھ کر وہی علم استعمال کیا تھا جو نیابت کے علوم سے متعلق ہے اور انہیں یہ علم سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منتقل ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ آدم زمین پر میرا نائب ہے اور خلیفہ ہے۔ تسخیر کائنات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو علم الاسماء سکھا کر ایسی صلاحیتیں ودیعت کر دی ہیں کہ اگر انسان ان علوم کو سیکھ لے اور ان کے استعمال پر قادر ہو جائے تو وہ اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔

سوال وجواب کے وقفے میں ایک صاحب کی یہ درخواست دل کی آواز لگی کہ آپ اپنے دوروں کا سلسلہ جاری رکھیں تاکہ بلوچستان کے عوام مستفیض ہوتے رہیں، اس کے بعد ریفرشمنٹ میں بھی معزز سامعین کی مرشد کریم سے انفرادی نشستیں جاری رہیں۔ اس

تقریب کے انتظام واہتمام کے لئے اکیڈمی کے ڈائریکٹر اسد مرزا، جناب احمد جان، محمد مسعود اسلم، علی محمد بارکزئی اور صلاح الدین بارکزئی کی کاوش اور انتہائی عقیدت کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا۔

شام کے وقت خواتین کی محفل مراقبہ اور ملاقات برائے علاج و معالجہ کا پروگرام تھا مرشد کریم کے اس دورہ میں آج خواتین کی ملاقات کا دوسرا روز تھا۔

مئی1998ء

مرکزی سیمینار

---'دورِ جدید میں علمِ روحانیت کی ضرورت'

علاقائی سوغات

کینٹ میں شام کی سیر

---'شجرہ عالیہ'

---'نسبت فیضان'

---سنگ بنیاد سلسلہ عالیہ عظیمیہ

---خانوادہ سلاسل

17مئی1998ء

مرکزی سیمینار

دورہ کوئٹہ کا اہم اور مرکزی پروگرام ''دورِ جدید میں علم روحانیت کی ضرورت'' پر روحانی سیمینار تھا۔ جو پاکستان چلڈرنز اکیڈمی کے وسیع ہال میں الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی خانوادہ سلسلہ عظیمیہ کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ مہمان خصوصی رئیس جامعہ بلوچستان جناب پروفیسر بہادر خان رودینی تھے جبکہ میزبان نگران کوئٹہ مراقبہ ہال جناب محمد نواب خان عظیمی تھے۔ اس خوبصورت اور باوقار ہال اور گیلری میں خواتین و حضرات کیلئے تقریباً 500 نشستیں پُر ہو چکی تھیں۔ حاضرین میں شہر کے معززین، اعلیٰ سرکاری افسران اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کی اکثریت شامل تھی۔ سٹیج پر خوبصورت اور باوقار انداز میں صاحب صدر، مہمان خصوصی اور میزبان کے لئے نشستیں مخصوص کی گئی تھیں۔

سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے راوی نے اپنے معزز مہمان کو علم و عرفان کی اس باوقار نشست اور وادی کوئٹہ میں خوش آمدید کہا۔ خالق کائنات کی تلاش کے لئے بیان کئے گئے یہ الفاظ ابھی بھی دل و دماغ کو مسحور کئے ہوئے ہیں۔

سپاسنامہ

وادی کوئٹہ میں آمد بہار کے ساتھ جہاں اس بار گلستان میں پھول مہکے ہیں اور درخت ثمر بار ہوئے ہیں وہاں برسوں بعد ایک اللہ کے دوست کی آمد سے علم و عرفان کی روشنی اہل بلوچستان کے سروں پر چھائی ہوئی ہے، بلاشبہ انوار و تجلیات سے دل معمور ہوئے ہیں۔ عقیدت اور محبت سے چشم براہ ہم آپ کو وادی کوئٹہ میں خوش آمدید کہتے ہیں۔

چشم ما روشن۔۔۔دل ما شاد

مجھے نہ صرف یقین بلکہ میرا مشاہدہ ہے کہ تم اہل فہم واہل نظر ان جذبات میں میرے شریک ہیں۔

بہار۔۔۔۔۔ دراصل قدرت کے زندہ ہونے اور کائنات کو قائم رکھنے کی نوید ہے کہ قدرت ابھی نظام فطرت قائم رکھنا چاہتی ہے جس کے تحت سوکھے تنوں اور مرجھائے درختوں میں دوبارہ زندگی دوڑ جاتی ہے۔ مرشد کی ذات بھی ایسا ہی کردار ادا کرتی ہے جب مردہ دلوں کو دوبارہ ان کی اصل کی طرف راغب کیا جاتا ہے اور ان لوگوں کو نوید حیات ملتی ہے جو حقیقت سے دور ہو کر مرجھا گئے ہوتے ہیں۔

جو لوگ اس حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور اس فکر میں پریشان ہوتے ہیں کہ میں اسے کہاں تلاش کروں جس نے یہ بزم سجائی ہے جس کا نغمہ بلبل بھی الاپ رہا ہے، جس کی روشنی کے رنگ پھولوں میں جھلک رہے ہیں اور جس ذات کی خوشبو مختلف صفات میں الگ الگ شان سے جلوہ نما ہے۔ اس ذات کو کہاں تلاش کیا جائے جو سب کچھ بنا کر خود پوشیدہ ہو گئی ہے۔۔۔۔۔ اس وسیع و عریض کائنات میں یا اپنے من میں۔۔۔۔۔ اپنے دل کے اندر۔۔۔۔۔

یہ کیسا امر ہے کہ جو رگِ جاں سے قریب ہے جو ہماری ذات سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہے۔۔۔۔۔ ہم اس سے بہت دور ہیں۔

قرآن پاک میں ہے:

"اے رسول اللہ ﷺ! میرے بندے جب آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں ان سے قریب ہوں اور جب وہ مجھے پکارتے ہیں تو میں ان کی پکار سنتا ہوں۔

اپنی شہ رگ سے قریب اس ذات مبارکہ کو جاننے کیلئے خود اللہ رب العزت نے کائنات میں بے شمار نشانیاں رکھی ہیں اور عمل عقل و دانش کیلئے جو غور و فکر کرتے ہیں اور اس جستجو میں رہتے ہیں کہ اپنی اصل اور اپنے رب کو جانیں انسان کی ذات میں بھی اس نے اپنی نشانیاں رکھی ہیں اس کیلئے ضروری ہے کہ اہل علم سے رجوع کیا جائے اور اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کی جائے تا کہ لاعلمی سے نجات مل سکے۔

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالح ترا طالح کند

عرفان حق کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے نفس کو پہچانا جائے پھر اپنی نفی کر کے حق کو جانا جائے کہ حق کو حق سے ہی پہچانا جا سکتا ہے اور استاد کامل یعنی اولیاءاللہ جو ان منازل کو طے کر چکے ہوتے ہیں ان سے رجوع کر کے ہلاکتوں سے بچا جائے۔

دانہ مٹی میں مل کر جب تک اپنا رنگ ڈھنگ ختم نہیں کر دیتا اس وقت تک اس کا نشوو نما پانا ممکن نہیں ہوتا اور جب یہ چھوٹا سا ننھا منا بیج اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے تو اس کے اندر سے ایک بلندو بالا درخت جنم لیتا ہے جو اس کے باطن کا عکس ہوتا ہے اسی طرح جب ایک سالک اپنی نفی کرتا ہے تو مرشد کریم کے فیض سے وہ اپنے باطن میں موجود حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے۔ایک حق آشنا مرد اس شکاری کی طرح ہوتا ہے جو چند قدم طے کرنے کے بعد ہی مشک نافہ سے ہرن کو تلاش کر لیتا ہے اور سیدھے راستے پر ہی قدم بڑھاتا ہے۔

مشک نافہ کی خوشبو پر ایک منزل چلنا، بلا مقصد اور بغیر قیاس و انداز کے سو منزلوں کی راہ طے کرنے سے بہتر ہے۔

(مولانا روم)

مرشد کی صحبت نور افزاء ہوتی ہے، خلوت اولیاءاللہ سے سیکھی جاتی ہے معرفت کی راہیں اور علم کے دریا انہی کے سینوں میں مؤجزن ہوتے ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

"بے شک اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ غم۔"

ہمارے مہمان خصوصی رئیس جامعہ بلوچستان علم کی ایک علامت ہیں۔ سلسلہ عظیمیہ بھی ایک علمی سلسلہ ہے اس میں جہاں سلوک کی راہ میں موجود جذب و رنگ موجود ہے وہاں روحانیت اور علوم سائنس کا ایک حسین امتزاج بھی موجود ہے اور اسی طرز فکر کو فروغ دیا جاتا ہے۔مادہ یعنی فزکس کی بنیاد میٹا فزکس Meta Physics یا سائیکالوجی پر ہے اور سائیکالوجی کی بنیاد پیرا سائیکالوجی پر ہے، یہ پیرا سائیکالوجی یا سورس آف انفارمیشن ہی روحانیت سے تعلق رکھتی ہے یا روحانیت کا دوسرا نام ہے۔جب تک علوم قرآن و علوم مادہ کو الگ الگ رکھا جائے گا علم کی تکمیل نہیں ہو سکے گی۔اس ربط کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر مادہ قائم ہے اور جو چیز مادہ کا احاطہ کرتے ہوئے اسے قائم و دائم رکھتی ہے قرآن پاک میں غور و فکر کر کے ان علوم اور اس ربط کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔

سلسلہ عظیمیہ میں روحانی اشغال یعنی ذکر و مراقبہ کے ساتھ ساتھ جہاں علوم کے حصول کو اہمیت دی جاتی ہے وہاں اللہ کی مخلوق کی بے لوث خدمت کر کے اللہ کا قرب اور اللہ کی دوستی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کے فروغ کیلئے دنیا بھر میں 72 مراقبہ ہالز قائم کئے گئے ہیں۔ مرشد کریم کی زیر سرپرستی کوئٹہ مراقبہ ہال کے زیر اہتمام علم کے فروغ کیلئے عظیمیہ روحانی لائبریریز قائم کی گئی ہیں۔ شعبہ تعلیم و تربیت کے زیر اہتمام درس ناظرہ و تجوید القرآن ہوتا ہے اور روحانی علوم کیلئے تعلیمی، تربیتی اور فکری نشست کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شعبہ نشر و اشاعت ایک کتابچہ شائع کرتا ہے جس میں سلسلہ کی تعلیمات کو مقامی مرکز سے عام کیا جاتا ہے۔ خدمت خلق کے تحت دکھی انسانیت اور بیمار و پریشان لوگوں کو علاج و معالجہ کی بے لوث خدمات مہیا کی جاتی ہیں خدمت خلق کیلئے ٹیلی فون سروس بھی مہیا ہے اس کے علاوہ خواتین و حضرات کیلئے ہفتہ وار محافل مراقبہ کا بھی علیحدہ ایام میں اہتمام ہے۔

سلسلہ عظیمیہ دراصل محبت کا سلسلہ ہے جو انسانیت اور اس سے بڑھ کر مخلوق سے محبت کا درس دیتا ہے۔

آیئے! امن وسکون اور خالق ومخلوق کی محبت سے ہم آہنگ ہونے کیلئے اہل دل کی صحبت اختیار کریں۔

آپ سب خواتین وحضرات کا شکریہ!

جناب محترم احتشام الحق عظیمی نے نظامت کے فرائض نہایت وقار، عمدگی اور منجھے ہوئے انداز میں ادا کئے اور اس دوران کیا خوب کہا۔

نبیؐ کا عشق جب تک زیست میں شامل نہیں ہوتا

نظر دریا نہیں ہوتی، سمندر دل نہیں ہوتا!

مجھے کیوں ڈر ہو کشتی کا، مجھے کیوں خوف طوفاں ہو

وہ خود موجود ہوتے ہیں، جہاں ساحل نہیں ہوتا!

مقالہ

"روحانی تعلیمات"

میزبان محفل جناب محمد نواب خان عظیمی نگران مراقبہ ہال کوئٹہ نے روحانی تعلیمات پر اپنا مقالہ پیش کیا۔

"معزز سامعین! سیمینار کے موضوع کی نسبت سے میں روحانی تعلیمات پر کچھ روشنی ڈالنا چاہوں گا کہ یہ تعلیمات ہم سے کیا تقاضہ کرتی ہیں۔

اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسے نیند آتی ہے نہ اونگھ، وہ ایک اور بے نیاز ذات ہے۔ لم یلد ولم یولد ہے۔ اور نہ کوئی اس کا خاندان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔ جو حقیقی وجود رکھتی ہے۔ ایک وقت تھا کہ اللہ ہی تھا اور دوسرا کوئی موجود نہ تھا پھر اس ذات نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے تو اس نے محبت کے ساتھ مخلوق کو تخلیق کیا اور اپنی تمام مخلوقات میں صرف انسان کو یہ وصف عطا فرمایا کہ وہ خالق کا عرفان حاصل کر سکے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات نوع انسانی کی تخلیق کا مقصد پوری طرح اجاگر کرتی ہیں۔ان میں یہ ہدایات دی جاتی ہیں کہ احکامات الٰہی کو پورا کرکے بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عرفان حاصل کرے۔سالک کے دل میں اللہ کے عرفان کا تجسس کروٹیں لیتا ہو۔بندہ کا تعلق رب سے اس طور استوار ہو جائے کہ بندگی اس کی رگ رگ میں رچ بس جائے اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو جائے کہ اللہ کے ساتھ اس کا ایسا رشتہ قائم ہے جو کسی آن کسی لمحہ اور کسی لحظہ ٹوٹ سکتا ہے اور نہ معطل ہو سکتا ہے۔

یہ امر حقوق اللہ میں شامل ہے کہ بندہ اس بات سے واقف ہو اور اس کا دل گواہی دے کہ اس نے عالم ارواح میں اس بات کا عہد کیا ہے کہ میرا رب، مجھے خدوخال بخش کر پرورش کرنے والا، میرے لئے وسائل فراہم کرنے والا، اللہ ہے۔اور میں نے اللہ سے اس بات کا عہد کیا ہے کہ میں زندگی میں خواہ وہ کسی بھی عالم کی زندگی ہو اللہ کا بندہ اور محکوم بن کر رہوں گا۔

طرز فکر ہمارے اعمال کی بنیاد ہے۔طرز فکر دو طرح کی ہوتی ہیں۔اور دنیا میں سب کچھ طرز فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ایک طرز فکر کا تعلق براہ راست اللہ کی ذات سے ہے اور دوسری طرز فکر میں اس کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم نہیں۔اللہ کی طرز فکر کا مشاہدہ ہر آن اور ہر گھڑی ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

ہماری نشانیوں پر غور کرو، تفکر کرو۔عاقل، بالغ، باشعور و سمجھدار اور فہیم لوگ وہ ہیں جو ہماری نشانیوں پر غور کرتے ہیں۔

اللہ کی نشانیوں میں ہوا، پانی، دھوپ، روشنی، چاندنی، ارض و سماء شامل ہیں۔جو براہ راست اللہ کی تخلیقات ہیں۔ان اشیاء پر غور وفکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء اور مقصد سامنے آتا ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ کی تمام مخلوقات کو بلا تفریق، بے لوث خدمت اور فائدہ پہنچانے کیلئے تخلیق کی گئی ہیں۔

اللہ سے دوستی کیلئے اللہ کی طرز فکر پر خلق خدا کی بے غرض اور بے لوث خدمت کرنی ہوگی جس میں ذاتی صلہ وستائش کی امید شامل نہ ہو اور اپنی طرز فکر کو مثبت، غیر جانبدار اور اجتماعی وفلاحی بنیادوں پر استوار کرنا ہوگا۔

انبیاء علیہم السلام کی ساری تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ انسان کی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیا جائے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر صلاحیتیں ذخیرہ کی ہیں۔جب اللہ تعالیٰ اسے ان صلاحیتوں کے استعمال کی توفیق دیں تو یہ نیت رہے کہ میری ان صلاحیتوں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچے۔

حضرت قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدمت خلق سے خدا ملتا ہے۔

عرفان نفس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سچی خوشی سے روشناس ہوں اس کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ سچی خوشی کیا ہوتی ہے ہم سب کو آگاہ ہونا چاہئے کہ زندگی کا دارومدار صرف مادہ پر نہیں بلکہ اس حقیقت پر ہے جس نے اس مادی جسم کو اپنے لئے لباس بنایا ہے۔

روح سے واقفیت ہمیں شک، وسوسہ، غم اور خوف سے آزاد کرتی ہے۔ آخرب میں بیدار ہو کر اللہ سے رابطہ کرنا چاہئے اور سب چیزوں سے الگ تھلگ ہو کر اپنا گیان ودھیان اپنے من میں موجود اس ذات کی طرف موڑ دینا چاہئے جس کی نشانیاں ارض وسماء میں پھیلی ہوئی ہیں، اس غور وفکر اور رابطہ کا طریقہ مراقبہ ہے۔

روزہ رکھ کر جسمانی کثافتیں دور کی جاتی ہیں اور باطن میں روشنی کا بہاؤ تیز کر کے روحانی بالیدگی وانشراح کا حصول ہوتا ہے صرف اور صرف اللہ کیلئے روزہ کی جزاء خود اللہ کی ذات وصفات ہیں۔

صلوٰۃ قائم کر کے اصل معنوں میں اللہ سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ صلوٰۃ قائم ہونے سے غیب جس میں فرشتے جنت اور خود اللہ تعالیٰ کی ذات بھی شامل ہے، مشاہدہ میں آجاتا ہے۔ جو مومن کی معراج ہے۔

زکوٰۃ غریبوں کی بے لوث اعانت ہے جس میں دکھاوا وستائش شامل نہیں ہونی چاہئے۔ یہ مخلوق خدا کی بے غرض خدمت ہے۔ اگر اعمال کی نیت وبنیاد رضائے الٰہی بنالی جائے تو بندہ اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

حقوق العباد کے تقاضوں اور اس کی روح سے ہم آہنگ ہونے کیلئے یہ عمل گھر میں والدین، بیوی بچوں، رشتہ داروں اور دوستوں سے شروع کرنا چاہئے اور گناہوں سے نجات کیلئے توبہ کا در جھانکنا چاہئے۔ دعا سے پہلے عمل کو اپنانے سے امید کی کرن کامیابی میں ڈھلی جاتی ہے۔

اللہ ہی ہماری ضروریات کا اصل کفیل ہے۔ جہاں دولت کا ایک رخ زندگی کو عذاب جہنم کی مثال بنا دیتا ہے وہاں اس کا دوسرا روپ مسرت، قناعت اور شادمانی کا ہے۔ لالچ، جبر، غرض اور حرص وہوس سے ارتکاز زر انسان کو درندہ اور زندگی کو نشان عبرت بنا دیتا ہے۔ جبکہ دولت سے ضرورتمندوں، بیواؤں اور غریبوں کی فلاح کے اجتماعی کام ضمیر کو اطمینان وسکون کی دولت میسر کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ہے:

"اے نبی ﷺ! وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں۔" "کہہ دو کہ اپنی ضرورت سے زائد۔"

محبت انسانی معاشرہ کی مضبوط ترین بنیاد ہے۔ محبت سراپا اخلاص ہے اور نفرت مجسم غیض وغضب ہے۔ غصہ بھی نفرت کی ایک شکل ہے اور نفرت کا ایک پہلو تعصب ہے۔ ایسا بندہ محروم رہتا ہے۔

انسان روشنیوں سے مرکب ہے جن لوگوں نے قلب اللہ کے انوار سے معمور ہیں اور جن کے دل ودماغ میں خلوص، ایثار ومحبت، پاکیزگی اور خدمت خلق کا جزبہ موجود ہوتا ہے ایسے لوگوں کے چہرے خوش نما اور معصوم ہوتے ہیں۔ تکبر، نفرت اور احساس گناہ، کراہیت، یبوست وخشونت پیدا کرتے ہیں۔

پاکیزہ طرز فکر، حقوق العباد کی اخلاص سے ادائیگی اور حقوق اللہ کا عرفان آپ کو اس راستے پر لے چلتا ہے۔ جو آپ کو اللہ تک پہنچا دیتا ہے آپ کا تعلق اللہ رب العزت سے جُڑ جاتا ہے تو کائنات کی اصل حقیقت آپ پر آشکارا ہو جاتی ہے کہ سب چیزوں کا پیدا کرنے والا ہمارا مالک اللہ ہے۔ اس نے انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ہم اس کو پہچانیں۔

خاتم النبیین سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ راز بتایا ہے کہ بندہ خالق کو اس وقت پہچان سکتا ہے جب اس کا ہر عمل صرف اور صرف اللہ کے لئے ہو۔ جب بندہ کی ذاتی غرض درمیان میں نہیں رہتی۔ تو بندہ اور خالق کا براہ راست رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور اس آیت کی عملی تفسیر سامنے آجاتی ہے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔

خود شناسی کا طالب علم ہر چیز کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے خواہ وہ پتھر و کنکر ہوں یا سونا و چاندی۔ جب تک کوئی بندہ خود شناسی کے علم سے ناواقف رہتا ہے اس کا من بے چین اور بے قرار رہتا ہے۔ من کی بے چینی اور بے قراری دور کرنے کیلئے ایک مخصوص طرز فکر اپنانا ضروری ہے اور یہ آزاد طرز فکر ہے۔ آزاد طرز فکر دراصل قلندر شعور ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مفہوم ہے۔

جو لوگ علمی اعتبار سے مستحکم ذہن رکھتے ہیں یعنی ایسا ذہن جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو اور ایسا ذہن جو شیطانی وساوس، کثافت اور آلودگی سے پاک ہو وہ استغناء کے حامل ہوتے ہیں۔

استغناء کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر ایمان ہو اور ایمان کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر وہ نظر کام کرتی ہو جو غیب میں دیکھتی ہو بصورت دیگر کسی بندہ کو کبھی سکون میسر نہیں ہو سکتا۔

حضرت سید البشر رحمت عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کائنات میں گھڑی بھر کا تفکر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ قرآن پاک نے غور و فکر یعنی ریسرچ کو ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ کائنات کے انتظام وانصرام کے سلسلے میں جو قوانین جاری و ساری ہیں۔ ان کو جاننا بھی ہر ذی شعور مسلمان کا ایک فریضہ ہے۔

اللہ کی نشانیوں میں تدبر اور تفکر کے نتیجے میں سائنسی حقائق کا مشاہدہ بندہ کو اللہ کی ذات پر ایمان لانے کیلئے مجبور کر دیتا ہے جو نیابت و خلافت ازل میں آدم کو بخشی گئی تھی اگر آج آدم زاد اس نیابت و خلافت سے ناواقف ہے تو محض شکل و صورت کی بناء پر اسے اولاد آدم کا حقیقی درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی بندہ اللہ کے اسماء کا علم نہیں جانتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا نائب نہیں۔ آدم زاد کو دوسری مخلوقات پر یہی شرف حاصل ہے کہ وہ اسمائے الٰہیہ کا علم رکھتا ہے۔

سعید روحیں قابل رشک و قابل مبارکباد ہیں جو اپنے مقاصد کو جانتے ہوئے ان خصوصیات کی حامل ہیں جن کے مشاہدہ میں یہ بات آجاتی ہے کہ

۔۔۔ہم تمہاری رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

۔۔۔جہاں بندہ ایک ہے وہاں دوسرا اللہ ہے جہاں بندے دو ہیں وہاں تیسرا اللہ ہے۔

۔۔۔اللہ ہی ابتداء ہے۔ اللہ ہی انتہا ہے۔

۔۔۔اللہ ہی ظاہر ہے اور اللہ ہی باطن ہے۔

۔۔۔جب بندہ قربِ نوافل سے میرے قریب ہو جاتا ہے تو میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

آیئے!

ان ازلی سعید روحوں کے ساتھ چلیں جو خود بھی با عمل ہیں اور دوسروں کو بھی صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دے رہی ہیں۔

آپ کا بہت بہت شکریہ!

ہال میں اب ایک علمی ماحول اور روحانی کیفیت بن چکی تھی۔اللہ کی نسبت کا حاصل ہونا اور انسان کا اپنے شرف کو بحال کرنا یہ دعوت سب پر عیاں تھی۔اب مہمان خصوصی بلوچستان یونیورسٹی کے وائس چانسلر محترم پروفیسر بہادر خان رودینی کو دعوت خطاب دی گئی۔

خطاب مہمان خصوصی

محترم پروفیسر بہادر خان رودینی

وائس چانسلر بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

آپ نے کہا!

آج کا دن میری زندگی کا ایک یادگار دن ہے اور میرے لئے یہ اعزاز کی بات ہے کہ مجھے اس بابرکت محفل کے مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا ہے۔میں نگران مراقبہ ہال کا شکر گزار ہوں کہ مجھے ایسی روحانی محفل میں بلایا گیا ہے۔

مجھے بڑی مسرت ہوئی ہے کہ اب ہم مادیت سے روحانیت کی جانب آرہے ہیں اور کوئٹہ بھی اس شرف سے محروم نہیں رہا جیسا کہ جناب نواب خان عظیمی نے فرمایا کہ پوری دنیا میں 72 مراقبہ ہالز قائم کئے گئے ہیں اور کوئٹہ میں بھی مراقبہ ہال کام کر رہا ہے۔میں ان کو اس روحانی جستجو، روحانی کاوش اور روحانی اقدار اجاگر کرنے پر بہت بہت مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

انسان، کائنات اور خدا پر ابتدائے آفرینش سے جتنے اختلاف رہے ہیں وہ آج بھی تمام دنیا میں مختلف صورتوں میں موجود ہیں۔کئی بڑے بڑے فلاسفر، سائنس دان اپنی تھیوریز پیش کر چکے ہیں۔کائنات مادہ ہے Nature نیچر کی تخلیق ہے مادہ پرست خدا کے قائل نہیں لیکن مادہ کی ساخت اور اس کا متحرک رہنا ہی ان کے نظریات کی نفی کرتا ہے۔مادہ پرست خصوصاً جرمن فلاسفر ہیگل خود اس کے قائل ہوئے کہ مادہ کو حرکت میں لانے والی کوئی دوسری طاقت ہے جسے وہ سپریم پاور یا Absolute Power کا نام دیتے ہیں، وہ اللہ کی ذات پاک ہے جس کیلئے ہم سب یہاں جمع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات میں وہ تمام صفات موجود ہیں جیسے کہ ابھی میرے دوستوں نے ذکر کیا ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔قرآن حکیم میں کائنات کی تخلیق کیلئے کن فیکون آیا ہے کہ جب وہ اشارہ کرے تو کائنات تخلیق ہو جائے اور اسی کے ایک اشارہ پر کائنات تباہ بھی

ہو سکتی ہے۔اس کائنات کی تشکیل میں اللہ کے راز پوشیدہ تھے۔انسان کو تخلیق کرنے کا کیا مقصد تھا جبکہ اللہ کی عبادت کیلئے فرشتے موجود تھے، اللہ کی منشاء یہی تھی کہ انسان اس کے نائب کی حیثیت سے تمام کائنات میں اس کی پہچان کی تدبیر کرے اور دین کو پھیلائے اور اسی لئے حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی اور حکم ہوا کہ تمام فرشتے انہیں سجدہ کریں جس پر شیطان انکاری ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جو علوم سکھائے وہ فرشتے نہیں جانتے تھے۔ جب حضرت آدمؑ نے اسماء بتائے تو فرشتے حیران ہوئے اور پھر تمام فرشتے آدمؑ کے سامنے سربسجود ہو گئے اور اللہ کی عظمت کے قائل ہوئے۔

ایک استاد کے بغیر کوئی شئے کامل نہیں ہو سکتی اگر اس کے بغیر علم حاصل کیا جائے یا استاد ہی کو چیلنج کر دیا جائے تو ہم تکمیل کی حد تک نہیں پہنچ سکتے اور منزل کو پانا ہمارے بس کی بات نہ ہو گی۔

آج سے چودہ سو سال قبل آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا وہ سب سچ ثابت ہو رہا ہے مثلاً روشنی کی رفتار انسانی عقل و فہم سے کئی گناہ زیادہ تیز تر ہوتی ہے۔مادہ پرست یہ چیلنج کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو یہ ناممکن بات لگتی ہے اور ہم یہ کیسے مان لیں کہ آپ ﷺ ایک ہی رات میں 18 سال کا سفر مکمل کر کے واپس تشریف لائے تو کنڈی ہل رہی تھی۔ یہ تو انسان کے بس کی بات نہیں۔

یہی تو وہ روحانی اقدار ہیں جو ناقابل یقین ہیں لیکن جب انسان کو اللہ کی نسبت حاصل ہو جاتی ہے تو یہ قابل یقین بن جاتی ہیں۔ یہ اعتراض کرنے والے ہی ہیں جب امریکہ کی خلائی شٹل میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو اس کو زمین سے ہی کنڑول کر کے خلائی شٹل کی خرابی دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ علم جسے سائنس کہا جاتا ہے وہ علم جو اللہ تعالیٰ عطا کرتے ہیں اس علم کا بہت معمولی سا حصہ ہے۔

یورپ والے کہتے ہیں کہ ہم یوگا کے ذریعے خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں، سکون اس طرح نہیں مل سکتا۔آپ لاکھ کوشش کریں یوگا کی پریکٹس کریں جب تک اپنے نفس کو صحیح نہیں کریں گے، انرسلف Inner self کو نہیں پہچانیں گے اس وقت تک روحانی خوشی نہیں مل سکتی۔

میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا جبکہ میں خود خواہش مند ہوں کہ مرشد کریم کے ارشادات سے میں بھی مستفیض ہوں۔ان خیالات کے ساتھ میں آپ سب کا شکر گزار ہوں۔

شکریہ

محترم شیخ الجامعہ نے سیمینار کے موضوع پر اپنے علم، تجربہ اور مشاہداتی حوالہ سے خطاب کے اختتام پر جب صاحب صدر کو مرشد کریم کے حوالہ سے مخاطب کیا تو ایسا معلوم ہوا کہ وہ سلسلہ ہی کی نہیں بلکہ ہال میں موجود تمام صاحب دل افراد کی ترجمانی کر رہے ہوں۔

اب تمام شرکاء مجلس کی نگاہیں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ کی ذات پر مرکوز ہو گئیں جو قرآنی وروحانی علوم، نظریہ رنگ ونور، اسلامی وروحانی سائنس کے داعی اور ممتاز روحانی اسکالر کے طور پر ایک دنیا میں متعارف ہیں۔ آپ کا انداز خطابت شرکائے محفل کو مبہوت کئے ہوئے تھا۔ انسان ودیگر مخلوقات کے علم وشعور کا موازنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تسخیر کائنات کے واقعات، انسان کے اصل شرف اور کامیابی کا شعور، ان نکات پر آپ کے عالمانہ اور عارفانہ کلام کے نکات دل ودماغ میں اترتے چلے جارہے تھے۔

خطاب مرشد کریم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیمo

الحمد للّٰہ رب العٰلمینoالرحمٰن الرحیمo

مٰلک یوم الدینoایاک نعبدو و ایاک نستعینo

اھدناالصراط المستقیمoصراط الذین انعمت علیھم

غیر المغضوب علیھم ولا الضآلینo

محترم پروفیسر بہادر خان رودینی صاحب،

محترم نواب خان صاحب،

معزز خواتین وحضرات السلام علیکم!

''کائنات کا تذکرہ تو بعد کی بات ہے جب ہم زمین کا تذکرہ کرتے ہیں تو بے شمار مخلوقات زیر بحث آجاتی ہیں۔ مخلوقات میں چرند، پرند، چوپائے اور حشرات الارض سبھی شامل ہیں۔ ان مخلوقات میں سے ایک مخلوق آدم ہے۔ آدم زاد جب اپنا اور دوسری مخلوق کا موازنہ کرتا ہے تو اس کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ آدم کو دوسری مخلوقات پر ایک فضیلت حاصل ہے۔

اس فضیلت کی بنیاد اگر شعور کے اوپر رکھی جائے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کہ جب آدم کے شعور ایک شہد کی مکھی کے شعور کا موازنہ کیا جائے تو انسان انتہائی درجہ ندامت محسوس کرتا ہے کیونکہ شہد کی مکھی کا بھی اپنا ایک مکمل اور منظم نظام موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں شہد کی مکھی پر وحی نازل کرتا ہوں۔

وہ رس چوس کر چھتوں میں شہد جمع کرتی ہے۔ اس نظام کو دیکھتے ہوئے انسان کی عقل بے بس ہو جاتی ہے کہ اتنا چھوٹا جانور اور اتنی تنظیم۔۔۔! مثلاً شہد کی مکھی جب کسی پھول میں سے رس چوستی ہے تو اپنی ٹانگوں میں چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں رس بھر کر جب وہ اپنے چھتے میں جاتی ہے تو وہاں سیکورٹی گارڈز ہوتے ہیں وہ مکھی کو چیک کرتے ہیں کہ کہیں یہ مکھی غلط قسم کا رس تو نہیں لے آئے اگر مکھی غلط قسم کا رس لے آتی ہے تو اس کی سزا یہ نہیں ہوتی کہ اسے چھتے سے نکال دیا جائے یا اسے دوسرا رس لانے کو کہا جائے بلکہ قانون یہ ہے کہ وہ سیکورٹی فورس اس مکھی کو جان سے مار دیتی ہے کہ اس نے غلطی کیوں کی۔ پھر شہد کی مکھی کو اس بات کا بھی علم

ہے کہ کون سے پھول میں صحت بخش رس ہے اور کونسے پھول میں زہر ہے۔ لہٰذا وہ انہی پھولوں کا انتخاب کرتی ہے جو انسانی صحت کیلئے شفا کا ذریعہ ہیں۔ انسان جب اس بات کو دیکھتا ہے تو بے بس ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جب آدم زاد کا کتے سے موازنہ کیا جائے تو کتے کو ایک ایسا جانور سمجھا جاتا ہے جسے ہم حقیر اور ناپاک جانتے ہیں۔ اسے گھر میں بھی نہیں پالتے اور بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اگر اس کا سانس بھی لگ جائے تو غسل کرنا پڑتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یعنی اسے ہم ایک پلید جانور سمجھتے ہیں۔ انسانی بے راہ روی کی ایک مثال منشیات ہے جس کے چکر میں انسان اپنی انسانیت کو تباہ کرنے کے درپے ہو گیا ہے۔ منشیات رکھنے والے مجرم کو کوئی انسان نہیں پکڑ سکتا جبکہ کتا سونگھ کر بتا دیتا ہے کہ یہ مجرم ہے۔ یعنی انسان اپنے معاشرے اور ماحول میں اپنے مجرم کو بھی نہیں پکڑ سکتا وہاں بھی وہ کتوں کا محتاج ہے اور آج کل تو انسان سے زیادہ ان کتوں کی قیمت ہوتی ہے۔

اسی طرح جب ہم ایک پرندے بیا کا تجزیہ کرتے ہیں، وہ اپنے گھونسلے کو بُنتا ہے جو اتنا پیچیدہ اور مضبوط ہوتا ہے کہ آندھی وطوفان سے اگر درخت جڑے سے اکھڑ جائے تو بھی اس کا گھونسلہ نہیں ٹوٹتا، درخت تو گر سکتا ہے مگر گھونسلہ نہیں ٹوٹتا۔ اس گھونسلے میں بستر (Beds) ہوتے ہیں۔ اس کے بچوں کیلئے جھولے ہوتے ہیں اور انتہا تو یہ ہے کہ رات کے اندھیرے میں اس کے گھر میں قمقمے روشن ہوتے ہیں۔ وہ یہ کرتا ہے کہ جگنو کو پکڑ کر اپنے گھونسلے میں بند کر دیتا ہے اور جگنو کی روشنی سے اس کا گھر روشن ومنور رہتا ہے۔

آپ جتنا غور و فکر کرینگے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ انسان کو محض عقل و شعور کے لحاظ سے فضیلت حاصل نہیں۔ اسی طرح آپ چیونٹیوں کا نظام دیکھیں۔ مثلاً ان کو یہ پتہ ہے کہ برسات میں ہمارے لئے غلہ اکٹھا کرنا ممکن نہیں رہے گا ان چیونٹیوں میں سے کچھ معمار اور کچھ غلہ اٹھا کر لانے والے مزدور ہوتے ہیں انہی چیونٹیوں میں کچھ سٹور کیپر ہوتے ہیں۔ معمار خانے بناتے ہیں اور مزدور ہر خانے میں خوراک الگ الگ رکھتے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اگر آپ گھر دیکھیں تو زمین کی انتہائی گہرائی میں سرنگ کی طرح ان کی دیواریں ہوتی ہیں۔ اور ان دیواروں کے اندر وہ شیلف کی طرح خانے بناتے ہیں تاکہ بارش کے پانی سے ان کے ذخیرے کو نقصان نہ پہنچے اور بارش کا پانی نیچے چلا جائے۔

سورہ نمل ایک چیونٹی کے نام پر ہے۔ قرآن شریف میں حضرت سلیمانؑ کے حوالے سے اس کا ذکر آیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ جن کو اللہ پاک نے چرند، پرند، نباتات، حشرات الارض، جن وانس سب مخلوقات پر حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ ان کا لشکر چلا جا رہا تھا۔ تو ملکہ چیونٹی نے اپنی رعایا سے کہا کہ سلیمانؑ کا لشکر آرہا ہے جلدی سے اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کا لشکر تمہیں روندتا ہوا گزر جائے۔ چیونٹیاں جلدی جلدی اپنے اپنے بلوں میں گھسنے لگیں۔

روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے چیونٹی کی یہ بات سن لی۔ حضرت سلیمانؑ نے وہاں توقف کیا اور قیام فرمایا اور اس چیونٹی کو اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور اس سے پوچھا کہ تو اپنی رعایا سے اتنی محبت کرتی ہے اور تجھے ان کا اتنا خیال ہے۔ اس نے کہا کہ کیوں میں اپنی رعایا کا خیال نہ رکھوں؟ بلکہ میں تو اسی لئے ہوں کہ ان کا خیال رکھوں اور ان کی حفاظت کروں۔ حضرت سلیمانؑ بہت خوش ہوئے اور پوچھا مجھے جانتی ہو یا نہیں؟ چیونٹی نے کہا کہ اگر نہ جانتی تو اپنی رعایا میں یہ اعلان کیسے کرتی کہ سلیمانؑ کا لشکر آرہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا تو یہ بھی جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر چیز پر حکمرانی و بادشاہی عطا کی ہے؟ ہر چیز پر میرا تصرف ہے اس نے کہا کہ ہاں

میں یہ بھی جانتی ہوں۔ پھر حضرت سلیمانؑ نے پوچھا بتا تیری سلطنت بڑی ہے کہ میری۔ ملکہ چیونٹی نے جواب دیا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی سلطنت بڑی ہے۔ اصل اور بڑی سلطنت تو پروردگار کی ہے۔ لیکن میں اس وقت کہہ سکتی ہوں کہ سلیمانؑ جو زمین کی ہر مخلوق پر حکمران ہے اس وقت اس کی ہتھیلی میرا تخت ہے۔ سلیمانؑ نے اس چیونٹی کی عقل دیکھ کر اسے زمین پر رکھ دیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اب آپ غور فرمائیں۔

اسی طرح ہر پرندہ یہ جانتا ہے کہ اس نے کیا کھانا ہے۔ ہر چوپایا عقل و شعور رکھتا ہے کہ غذا کیا ہے۔ کسی بکری نے کبھی گوشت نہیں کھایا، شیر ہمیشہ گوشت کھاتا ہے۔ کیوں! اس بات سے اس کے عقل و شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ شیر کا مطلب ہے گوشت کھانے والا جانور، بکری کا مطلب ہے گھاس کھانے والا جانور۔ یہ تمہید بہت لمبی ہو جائیگی۔ اس پر آپ جتنا تفکر اور غور کرینگے یہ بات واضح ہوتی چلی جائے گی اور اس کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ عقل و شعور کی بنا پر انسان زمین کی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق سے لے کر بڑی سے بڑی مخلوق سے ہر گز ممتاز نہیں۔

آپ گھر بناتے ہیں پرندہ بھی گھر بناتا ہے۔ وہ اپنی ضرورت کے مطابق بناتا ہے۔ اگر آپ اپنے بچوں کے لئے گھر چھوڑ جاتے ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے پتا نہیں کیا کارنامہ انجام دے دیا۔۔۔۔۔ چڑیوں کا عجیب نظام ہے۔ چڑیوں کے بچے جب انڈوں سے نکلتے ہیں تو جیسے ہی بچے روزگار میں خود کفیل ہوتے ہیں۔ وہ ماں باپ ک و چھوڑ کر اپنا علیحدہ گھونسلا بنا لیتے ہیں۔ اگر کسی انسان کے سات آٹھ بچے ہوں اور وہ مر جائے تو یہ بچے گھر کے لئے لڑتے ہیں، اگر آپ کہتے ہیں کہ انسان کماتا ہے، روزی کیلئے کوشش کرتا ہے تو اس طرح سارے پرندے صبح نکلتے ہیں اور شام تک گشت کرتے رہتے ہیں اور اپنی روزی تلاش کرتے ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ایک قصہ سنایا کہ ایک بندر انسانی آبادی میں نکل آتا ہے اور انسان کی بود و باش کو دیکھ کر کچھ عرصہ کے بعد واپس چلا جاتا ہے۔ اپنی برادری میں پہنچتے ہی سارے جنگل کے بندر اسے ایک اونچے درخت پر بٹھا کر کہتے ہیں کہ اپنی واردات سناؤ۔ وہ بندر اپنی روئیداد سناتے ہوئے کہتا ہے کہ وہاں ایک عجیب جانور رہتا تھا اس کے بیوی اور بچے بھی تھے۔ وہ جانور صبح روزی کی تلاش میں نکلتا اور رات کو واپس آتا مگر وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوتا اس کی مادہ خوخو کرتی ہوئی اس کے پیچھے پڑ جاتی اور جھگڑتی رہتی۔ صبح کو وہ جانور پھر چلا جاتا اور رات کو واپس لوٹ آتا ہے اس کی مادہ پھر اس کے پیچھے پڑ جاتی۔ دوسرے بندر حیرانی سے کہتے کہ کیا اس کی مادہ نے اسے رسی ڈال رکھی تھی کہ وہ رات کو واپس آجاتا تھا۔ کہا نہیں اس کے کوئی پاؤں میں رسی نہیں ہوتی تھی۔ بس خود ہی واپس آجاتا تھا۔ اس بات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بندروں کو بھی اللہ نے عقل و شعور سے نوازا ہے جو اس نے اتنا تجزیہ کیا۔

اسی طرح ایک شیر اور آدمی کا مقابلہ ہو گیا۔ آدمی شیر کی زبان جانتا تھا۔ اور شیر آدمی کی زبان جانتا تھا۔ شیر کہتا تھا کہ میں طاقتور ہوں اور آدمی کہتا تھا کہ میں طاقتور ہوں۔ شیر نے کہا کہ اگر آپ کے پاس کوئی دلیل ہو تو مجھے بتائیں کہ انسان کس طرح شیر سے طاقتور ہے۔ انسان نے جیب سے ایک تصویر نکالی جس میں ایک آدمی شیر کے اوپر سواری کر رہا تھا اور اسے شیر کو دکھایا۔ شیر حیران بھی تھا اور ساتھ ساتھ سوچتا بھی رہا، سوچنے کے بعد شیر نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ یہ تصویر کس نے بنائی ہے۔ اس انسان نے کہا کہ انسان کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہے۔ تب شیر نے کہا کہ مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ جس دن شیر کو تصویر بنانا آجائے گی تو اس دن آدمی نیچے ہو گا اور شیر اوپر ہو گا۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ محض عقل وشعور کی بناءپر انسان کسی طرح بھی حیوانات سے ممتاز نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ میں حیوانات کی نسبت عقل تھوڑی زیادہ ہو لیکن کتے کے سونگھنے کی حس تک انسان پہنچ ہی نہیں سکتا۔ شاہین کی آنکھیں ماورائے بنفشی شعاعوں (Ultra Violet Rays) کو دیکھتی ہیں۔انسان کی آنکھوں کے سامنے اگر ہلکا سا کاغذ رکھ دیا جائے تو وہ اس کے پار دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اُلو کی آنکھ انسان سے زیادہ صاف دیکھتی ہے۔ بیماریاں حیوانات کی نسبت انسانوں میں زیادہ ہیں۔ مثلاً کسی نے آج تک یہ نہیں سنا ہوگا کہ کسی بھیڑ کی آنکھوں میں موتیا اتر آیا ہو۔ آدم اشرف المخلوقات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام مخلوقات پر شرف عطا کیا ہے۔ان مخلوقات میں زمین سے باہر کی دنیاؤں کی مخلوقات بھی شامل ہیں اور فرشتے وجنات بھی شامل ہیں۔اب تلاش یہ کرنا ہے کہ یہ شرف عقل وشعور کی بنیاد پر ہے یا کوئی اور ایسی چیز ہے کہ جس کی بنیاد پر اس کو یہ شرف حاصل ہے۔

جب اللہ نے آدم کو بنایا تو فرشتوں سے کہا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے اور فرشتوں کو صرف الفاظ سے مطمئن نہیں کیا۔

آدم علیہ السلام کو علم الاسماء سکھایا اور آدم سے کہا!

کہ جو علوم میں نے تمہیں سکھائے ہیں وہ تم بیان کرو آدم علیہ السلام نے اللہ سے سیکھے ہوئے علوم جب فرشتوں سے بیان کئے تو فرشتوں نے برملا یہ اعتراف کیا کہ ہمیں یہ علم نہیں آتا اور ہمیں تو اتنا ہی علم آتا ہے جتنا اللہ نے ہمیں سکھایا ہے۔یعنی آدم کو اللہ نے وہ علوم سکھائے جو فرشتوں کو بھی نہیں سکھائے۔

ان علوم کا نام اللہ نے علم الاسماء رکھا اور علم الاسماء اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اللہ کی صفات کیا ہیں؟ سب جانتے ہیں صفات تخلیقی مراحل کے علاوہ کچھ نہیں یعنی خالق کی صفات کا مطلب ہے کہ تخلیق کرنے کی صلاحیت۔ مثلاً ایک پڑھا لکھا آدمی جسے ہم عالم فاضل کہتے ہیں یہ اس کی صفت ہے۔ وہ علم سکھا سکتا ہے وہ علم سے نئی نئی ایجادات کر سکتا ہے یا مثلاً ایک ڈاکٹر صاحب ہیں ان ڈاکٹر صاحب کی یہ صفت ہے کہ وہ علاج معالجے کے علم سے واقف ہیں۔اسی طرح خالق کی صفت یہ ہے کہ وہ تخلیقی فارمولوں کا عالم ہے۔اللہ تعالیٰ نے آدم کو تخلیقی فارمولوں کا علم سکھایا۔ کیوں سکھایا؟ اللہ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

انی جاعل فی الارض خلیفہ

"میں نے زمین پر اپنا ایک نائب بنایا ہے۔"

نائب کا مطلب ہے کہ جو میرے اختیارات کو استعمال کر سکے کیونکہ انسان کے پاس وہ علوم موجود ہیں جن کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کے فرائض ادا کرتا ہے۔ اسی لئے انسان ساری زمین اور ساری کائنات پر فضیلت رکھتا ہے۔ عقل وشعور بالکل الگ چیز ہیں۔ علم الاسماء بالکل الگ چیز ہے۔ عقل وشعور کائنات کی ہر مخلوق کو حاصل ہے۔ مگر علم الاسماء انسان کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ کوئی انسان عقل وشعور کی بناء پر افضل نہیں ہے۔ قرآن کے مطابق انسان کی فضیلت اس بات پر قائم ہے کہ وہ ان علوم سے واقف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

دور جدید ہو یا دور قدیم علم کی حقیقت واہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ علم حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ بات تو طے ہو گئی کہ انسان عقل وشعور کی بنیاد پر فضیلت نہیں رکھتا۔

انسان کے پاس دو قسم کے علم ہیں۔ایک مفروضہ علم ہے جس پر مادہ کی ساری بنیاد کھڑی ہوئی ہے۔ہم وکیل بنتے ہیں، ڈاکٹر بنتے ہیں، انجینئر بنتے ہیں، سائنسدان بنتے ہیں، نئی نئی ایجادات کرتے ہیں، اگر ان ایجادات پر تفکر کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جب تک حقیقی علم نہ ہو کوئی ایجاد ممکن نہیں۔ مثلاً اگر آپ کوئی چیز ایجاد کرتے ہیں اور اس میں لوہے کا عمل دخل ہے تو اس لوہے میں اللہ نے انسانوں کے لئے بے شمار فائدے رکھے ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس میں تغیر و تبدل نہیں۔ لوہالوہا ہی ہے لیکن اس لوہے میں آپ تصرف کرکے اس سے ریل بنالیں، جہاز اور سائیکل کا پہیہ بنالیں، ترازو بنالیں۔ یہ ترازو کا بنانا، ریل کا بننا اور چلنا، ریل کی پٹڑی بننا یہ ایک مفروضہ ہے۔ لوہا حقیقی ہے۔ اسی طرح لکڑی ہے، لکڑی کا اپنا ایک تشخص ہے۔

علم کے بارے میں غور کیا جائے تو انسان دو علوم میں گھر نظر آتا ہے۔ چاہے کوئی پڑھے نہ پڑھے جاہل ہو یا عالم فاضل، پی ایچ ڈی کیوں نہ ہو جائے ان دو علوم کے دائروں سے باہر نہیں نکل سکتا۔ ایک مادی علم ہے اور دوسرا علم مادہ کو تخلیق کرتا ہے۔ اب مادہ کے اندر اللہ تعالی نے صفات رکھی ہیں اس سے استفادہ کرنا الگ بات ہے اور مادہ کی تخلیق الگ بات ہے۔ جب ہم انسان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو انسان مادہ اور حقیقت دونوں میں زندگی بسر کرتا نظر آتا ہے۔

مادہ کیا ہے! ہمارا جسمانی وجود، گوشت پوست، ہڈیاں، کھال اور حقیقت کیا ہے؟ اس گوشت پوست کے جسم کو متحرک کرنیوالی شئے روح ہے جو حقیقت ہے آپ جب انسانی وجود پر غور کرینگے تو معلوم ہو گا کہ انسانی وجود کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہاتھ، پیر، ناک، کان، آنکھ، گردے، دماغ وغیرہ وغیرہ جو کچھ بھی ہے۔ انسان اللہ کی ایک بہت بڑی مشینری ہے۔ لیکن انسان کی اپنی کوئی ذاتی حیثیت نہیں ہے۔ ذاتی حیثیت سے مراد یہ ہے کہ اس کی کوئی ذاتی زندگی نہیں ہے۔ اگر جسم کے اندر حقیقی علم یعنی روح موجود نہ ہو تو جسم انسانی میں کوئی حرکت نہیں ہو سکتی۔ دن رات یہ مشاہدہ ہوتا ہے۔ آدمی مر جاتا ہے تو لاش پڑی رہتی ہے۔ اس میں حرکت نہیں ہوتی۔ سارا جسمانی نظام مفلوج و معطل ہو جاتا ہے۔ کسی لاش یا مردہ جسم میں حرکت کیوں نہیں ہوتی! تو اصل انسان کون ہوا؟

اصل جسم یعنی ''روح'' کا علم حقیقی علم ہے اور اللہ تعالی نے یہ علم انسان کے علاوہ کسی کو نہیں دیا۔ یہی وہ علم ہے جس کی بنیاد پر انسان کو فضیلت حاصل ہے۔ یہی وہ علم ہے جس کی بنیاد پر انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اسی علم کی بنا پر انسان خلیفہ کہلاتا ہے۔ اسی علم کی بنیاد پر اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

کہ ہم نے تمہارے لئے سورج، چاند اور ستاروں کو مسخر کر دیا ہے۔ تم چاہو تو ان میں تصرف کر سکتے ہو ہم نے چاند کو تمہارے لئے تابع فرمان کر دیا ہے اور اس کی مثالیں آپ کے سامنے موجود ہیں۔ چاند کا نکلنا، چاندنی سے لطف اندوز ہونا چاند کی تسخیر نہیں ہے۔ چاندنی سے جس طرح انسان لطف اندوز ہوتا ہے زمین پر موجود ہر مخلوق چاندنی سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اگر چاند کی چاندنی سے لطف اندوز ہونا تسخیر قمر ہے تو پھر چاند بلی کے لئے مسخر ہے۔ درختوں اور پرندوں کے لئے بھی مسخر ہے۔

چاند کی تسخیر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی اور ابوجہل آتے ہیں اور ابوجہل یہودی کو کہتا ہے کہ آج جادو اور نبوت کا پتہ چل جائے گا۔ یہ جادوگر (نعوذ باللہ) ہے۔ جادو زمین کی ہر چیز پر چل سکتا ہے مگر آسمان پر نہیں چل سکتا۔ لہٰذا تم محمد ﷺ سے کہو کہ چاند کے دو ٹکڑے کردو تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو اللہ جانتا ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون ایمان نہیں لائے گا اور اس کے ساتھ حضور ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر اشارہ کیا چاند کا ایک ٹکڑا ایک طرف چلا

گیا اور چاند کا دوسرا ٹکڑا دوسری طرف، مکہ مکرمہ آنیوالے قافلے گواہی دیتے رہے کہ ہم نے چاند کو دو ٹکڑوں میں دیکھا ہے یہ تسخیر قمر ہے۔ تسخیر قمر یہ نہیں کہ آپ نے چاند دیکھا، چاند نکلا اور چاند واپس چلا گیا۔

یہ تو چاند کے فرائض میں شامل ہے اور اللہ نے چاند کو اپنی مخلوق کیلئے پابند کر دیا ہے کہ تو نے چاندنی بکھیرنی ہے۔ اگر چاند ایک نظام کے تحت نہ نکلے تو ساری دنیا کے پھل کڑوے ہو جائیں، گیہوں میں موجود شیرینی ختم ہو جائے اور گندم کڑوی ہو جائے۔ چاندنی سے غذاؤں میں مٹھاس منتقل ہوتی ہے۔ چاند کو اللہ تعالیٰ نے یہ ڈیوٹی دی ہے۔ اس لئے کہ وہ رب العالمین ہے۔ اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ میں تمام عالمین کو روزی دینے والا ہوں۔

سورج کا نکلنا یا دھوپ دینا یہ سورج کی تسخیر نہیں ہے۔ کیا سردی سے بچنے کے لئے دوسرے جانور دھوپ میں نہیں بیٹھتے۔ سورج کی تسخیر یہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت علیؓ کے زانو پر آرام فرما رہے تھے۔ اس اثناء میں حضرت علیؓ کی نماز قضا ہو گئی اور سورج ڈوب گیا۔ جب حضور ﷺ کی آنکھ کھلی تو حضرت علیؓ کو ملول دیکھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا ہوا، حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ نماز قضا ہو گئی۔ سورج غروب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے سورج کو حکم دیا تو سورج واپس لوٹ آیا۔ حضرت علیؓ نے نماز پڑھی اور سورج واپس غروب ہو گیا۔ یہ تسخیر شمس ہے۔

ایک یہودی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اس وقت پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا میں فلاں فلاں نجومی ہوں۔ یہ بہت نامور نجومی تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! میں جانتا ہوں۔ اس نے کہا۔ حضور ﷺ میں چاہتا ہوں کہ جس پہاڑ پر آپ قیام فرما ہیں۔ اس پہاڑ پر آپ کے پاؤں مبارک کا نقش آ جائے تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ حضور ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر پاؤں مبارک پہاڑ پر رکھا تو پہاڑ ایسے موم ہوا کہ پاؤں مبارک اس میں اترتا چلا گیا جیسے ہی یہ عمل ہوا۔ اس نجومی نے آسمان کی طرف دیکھا اور کلمہ پڑھ لیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ جب حضور ﷺ پیر مبارک پہاڑ پر رکھ رہے تھے تو تم نے آسمان کی طرف کیوں دیکھا۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ علم ہے کہ ایک ستارہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اگر اس ستارے کا سایہ براہ راست کسی بندے پر آ جائے تو اس بندے کے اندر یہ صلاحیت خود بخود متحرک ہو جاتی ہے کہ پہاڑ موم بن جاتا ہے۔ میں نے یہ معجزہ حضور ﷺ سے اس لئے طلب کیا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ اس جگہ یہ ستارہ ایک لاکھ بیس ہزار سال بعد آئے گا۔ لہٰذا نہ یہ معجزہ دکھا سکیں گے اور نہ میں ایمان لاؤں گا لیکن میں نے دیکھا کہ جیسے ہی حضور ﷺ نے قدم مبارک اٹھایا وہ ستارہ تیزی سے یہاں آیا۔ ایک لمحے کیلئے حضور ﷺ کے سر پر سایہ فگن ہوا اور اسی تیزی سے پلٹ گیا۔ یہ تسخیر نجوم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو جو بھی علم عطا کیا گیا وہ سب قرآن پاک میں موجود ہے، آپ ﷺ نے اسے اپنی امت کے لئے آشکار کر دیا ہے چھپایا نہیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ ہم نے قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا، ہے کوئی سمجھنے والا۔ مسلمان نے قرآن کو سمجھنے پر کبھی توجہ ہی نہیں دی۔ ہم تو یہ بات جانتے ہیں کہ اکتالیس مرتبہ عشاء کی نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنی چاہئے تو روزی ملے گی۔ اکتالیس مرتبہ آیت الکرسی پڑھیں گے تو ملازمت میں ترقی ہو جائے گی۔ اکتالیس مرتبہ آیت الکرسی پڑھیں گے تو کاروبار میں لاکھوں گنا فائدہ ہو گا۔ چاہے وہ اسمگلنگ ہی کیوں نہ ہو۔ ہم نے قرآن کو طاق کی زینت بنا کر رکھ دیا ہے کہ وہ جگہ جہاں قرآن پاک ہو وہاں بلائیں، بھوت اور جنات وغیرہ نہیں آتے۔ بچی کو قرآن کے نیچے سے گزار دو، اس لئے نہیں کہ قرآن کی برکت حاصل ہو بلکہ اس لئے کہ سسرال میں جا کر محفوظ رہے۔ ساس، سسر، نندیں برا بھلا نہ کہیں۔ آج قرآن کا جو حال ہے وہ ہم سب جانتے ہیں۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ہم نے زمین اور آسمانوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ زمین کے اندر جو کچھ بھی موجود ہے وہ مسخر کر دیا گیا ہے۔ اب زمین کے اندر کیا ہے۔ معدنیات ہیں، یورینیم ہے، ہیلیم اور بیشمار گیسز ہیں۔ اب جب انسانوں نے زمین پر تفکر کیا تو یورینیم کو تلاش کر لیا اور ایٹم بم بن گیا۔ انسان نے لوہے کے اندر تفکر کیا تو ٹرین بن گئی۔ انسان نے درختوں کے اوپر غور کیا تو فرنیچر اور دروازے بن گئے۔ انسان نے مزید دھاتوں پر غور کیا، سونا مل گیا، چاندی مل گئی اور مزید غور کیا تو پیٹرول نکل آیا۔ اس میں کوئی شرط نہیں ہے کہ کوئی ایک خاص قوم ہی اللہ کی نشانیوں پر غور کرے گی تو وہی مخصوص قوم فائدہ اٹھائے گی۔ قرآن پاک میں کسی کا نام نہیں آتا۔ قرآن کریم پوری نوع انسانی کیلئے ہے۔ تسخیر کائنات کا ایک فارمولا ہے اور ایک ہی دستاویز علم ہے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف کر لیتا ہے۔ قرآن میں غور و فکر کرتا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے کہ قرآن کو سمجھنا ہم نے آسان کر دیا ہے۔ جو سمجھنا چاہے اسے سمجھ لے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ہے رسول ﷺ ہمارے ہیں، قرآن ہمارا ہے اور فائدہ کون اٹھا رہا ہے؟ غیر مسلم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جس قوم کے پاس علم کا خزانہ ہو، جس قوم کے پاس تسخیر کائنات کی دستاویز ہو وہ قوم غیروں کی غلام ہو، بچے کھچے ہوئے نوالے نگلنے والی ہو اور ان کی زندگی سود کے پیسوں پر گزر رہی ہو کیا وہ قوم معزز ہو سکتی ہے؟ مسلمانوں کو اتنا بھی خیال نہیں آتا کہ ان کے اسلاف نے جو ترقی کی اور جو سائنسی ایجادات کی تھیں وہ غیر مسلم اپنے نام سے متعارف کرا رہے ہیں اور مسلمان قوم مجبور و بے بس بنی ہوئی بے بسی کی زندگی گزار رہی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ علم بھی اس کے پاس نہیں ہے۔ وہ غیر مسلم اقوام کی بھکاری بنی ہوئی ہے۔ کیا مسلمانوں کے پاس دماغ نہیں ہے؟ ٹیکنالوجی نہیں ہے؟ لوہا نہیں ہے؟ مسلمانوں کے پاس کیا نہیں ہے؟ ان کے پاس تسخیر کائنات سے متعلق دستاویز موجود ہے۔ وہ کبھی اس کو کھول کر نہیں دیکھتے۔ بس اسی میں خوش ہیں کہ باہر سے ٹیلیفون، ٹی وی آگیا ہے اسے استعمال کر لیں۔ باہر سے کوئی ٹیکنالوجی آجائے تو اسے استعمال کر لیں اور لیب بنا لیں۔ وہاں سے علم طب آجائے تو آدمی ڈاکٹر بن جائے، وہاں سے انجینئرنگ آجائے تو آدمی انجینئر بن جائے۔ ہم اسی بات پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم تو مسلمان اور اللہ کی محبوب قوم ہیں۔

قرآن پاک میں ہے جب کوئی قوم اپنی تبدیلی نہیں چاہتی ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ دور جدید کی چکا چوند میں انسان بالکل برباد ہو چکا ہے۔ آپ غور فرمائیں ہر آدمی دہشت میں مبتلا ہے۔ ہر آدمی خوف میں مبتلا ہے۔ یہاں ایٹم بم بن گیا ہے، وہاں میزائل بن گیا ہے۔ اس ترقی کے پس پردہ ایک قوم یہ چاہتی ہے کہ ساری دنیا پر اس کا اقتدار قائم ہو جائے۔ اللہ کا اقتدار قائم نہ رہے۔ خوف کا عجیب عالم ہے۔ ساری نوع انسانی خوف میں مبتلا ہے۔ جن لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اقتدار قائم کریں وہ نہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں اور نہ ہی قرآن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ موجودہ دور کی کوئی ترقی ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ وسائل کے بغیر عمل میں آگئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں وسائل پھیلائے ہیں ان وسائل میں رد و بدل کر کے اور ان وسائل میں غور و فکر کر کے نئی نئی ایجادات کی جاتی ہیں۔

تو مسلمان کیوں ان وسائل میں غور و فکر کر کے نئی نئی ایجادات نہیں کرتا۔ دور جدید کے علوم میں جہاں انسانی شعور بالغ ہوا ہے، دور جدید کے علوم سے جہاں انسان کو اس بات کا احساس ہوا ہے کہ انسان ایک ایسا روبوٹ ہے جس کے اندر اللہ کی صفات بھری ہوئی ہے وہاں انسان مایوس ہوا ہے۔

کیا کوئی انسان اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ دور جدید کی ترقی کے بعد صحت اچھی ہوئی ہے یا بری ہو گئی ہے۔ بیماریاں بڑھی ہیں یا کم ہو گئی ہیں۔ دور جدید کی ترقی میں جو آرام و آسائش ہمیں مہیا ہوئے ہیں ان سے ہماری نگاہ تیز ہو گئی ہے یا چشمے لگ گئے ہیں۔ پرانے وقتوں میں اسی نوے سال کی عمر میں چشمے کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اب دس بارہ سال کے بچوں کو چشمے لگ گئے ہیں۔ دور جدید کی ترقی بلاشبہ ترقی ہے۔ بلاشبہ نوع انسان کا کمال ہے۔ بلاشبہ انسان نے جدوجہد اور تفکر سے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو ایک نیا رنگ اور روپ دیا ہے لیکن دور جدید کی ترقی میں ایک بنیادی خرابی ہے کہ ہر جدید ترقی کے پیچھے مادیت کار فرما ہے۔

ایک روحانی اور مادی آدمی میں بنیادی فرق یہی ہے کہ اگر ایک روحانی آدمی کوئی علم سیکھتا یا سکھاتا ہے اور کوئی ایجادات کرتا ہے تو اس کے پس پردہ نیت دنیا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ دور جدید میں جو چیز آپ کو ملتی ہے اس کے پیچھے اللہ نہیں ہوتا۔ حرص، لالچ اور پیسہ ہوتا ہے لیکن اگر کوئی روحانی آدمی کوئی بات بناتا ہے، اگر کوئی بات سمجھتا ہے، اگر کوئی بات اور علم سیکھتا ہے تو اس کے پیچھے دنیا نہیں اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

خطاب کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوئی اور تقریب کے اختتام پر کولڈ ڈرنکس پیش کی گئیں۔ شرکاء میں روحانی تعلیمات پر مبنی سوونیئر، تعارف سلسلہ عظیمیہ اور کوئٹہ مراقبہ ہال کا کتاب ”عرفان روح“ خصوصی طور پر تقسیم کئے گئے۔ ان تینوں اشاعتوں کو گذشتہ روز مرشد کریم نے ملاحظہ فرمایا تو معیار پر حد درجہ پسندیدگی ظاہر فرمائی۔ اور ہدایت کی کہ تینوں پمفلٹ دیگر تمام مراقبہ ہالز کو بھی ضرور بھیجے جائیں۔ کوئٹہ مراقبہ ہال کے کارکنوں میں نمایاں خدمات پر اسناد تقسیم کی گئیں۔ سیمینار کی اس تقریب میں مراقبہ ہال کے اراکین سخاوت علی، جاوید اقبال، اویس احمد میر، حبیب خان، ثناءاللہ دوتانی، فیصل قیوم، علی محمد وڑائچ اور عبدالرزاق نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ مرشد کریم نے شیخ الجامعہ کو طعام کی دعوت دی۔ اور اس طرح یہ باوقار روحانی سیمینار اختتام کو پہنچا۔

ظہرانہ مرشد کریم اور شیخ الجامعہ کی دیر تک نشست رہی۔ اس کے بعد آپ نے شیخ الجامعہ کو رخصت فرمایا تو آسمان پر ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سیمینار میں مرشد کریم کے خطاب کے دوران ہی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ یہ خوبصورت منظر دیکھتے ہوئے مرشد کریم نے فرمایا کہ آج تو بارش ہو رہی ہے۔ راوی جو ابھی تک مرشد کے خطاب کے سحر میں کھویا ہوا اس کے اثرات قلب میں محسوس کر رہا تھا۔ آپ سے گویا ہوا آج نہ صرف باہر بلکہ اندر بھی بارش ہوئی ہے۔

علاقائی سوغات

جناح روڈ کوئٹہ کی مال روڈ تصور کی جاتی ہے۔ 1935ء کے زلزلے کے بعد دو تین منزلہ عمارات تعمیر کرنے کا رجحان تھا جو عرصہ ہوا ختم ہو چکا ہے۔ اب شہر کے کاروباری مراکز میں کئی کئی منزلہ بلند خوبصورت پلازہ تعمیر ہو چکے ہیں۔ شہر کے دیگر اہم ترین کاروباری مراکز میں سر فہرست لیاقت بازار ہے۔ جس کے اطراف میں بے شمار مارکیٹیں ملکی و غیر ملکی سامان سے بھری ہوئی ہیں۔ بیرون شہر سے آنے والے افراد کی خریداری کا رخ ان مارکیٹوں کی طرف ہوتا ہے۔ جہاں آدھے سے زیادہ ملکی سامان ہی غیر ملکی لیبل لگا کر بیچا جاتا ہے۔ اسمگل شدہ اشیاء کا دوسرا مرکز شارع اقبال یا قندہاری بازار کا زیریں علاقہ ہے۔ یہاں بھی بے شمار مارکیٹیں ایرانی، روسی اور جاپانی اشیاء سے بھری پڑی ہیں۔ جبکہ قندہاری بازار کا بالائی حصہ اجناس کے تھوک کاروبار کی منڈی ہے۔ شہر کے دیگر کاروباری علاقے مسجد روڈ، سورج گنج بازار، مشن روڈ اور پرنس روڈ ہیں۔

جناح روڈ پر ہی صوبہ کی علاقائی سوغات کے مراکز قائم ہیں۔ جن میں سر فہرست بلوچی کشیدہ کاری کی مارکیٹ ہے۔ جو خواتین کا ایک جاذب نظر شوق ہے۔ یہاں مختلف قبیلوں کے رسم ورواج کا آئینہ دار بلوچی و افغانی کام ملتا ہے۔ جو علاقوں کی مناسبت سے بے شمار خوبصورت ڈیزائن اور دلفریب رنگوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ثقافتی رنگ میں اس کام کے ذریعے یہاں کی سوچ، اقدار اور تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے۔ ہاتھ سے بنے ہوئے ریشمی دھاگہ کے خوبصورت ڈیزائن اور رنگدار بیل بوٹوں کا کام ان ہنر مند خواتین کے جمالیاتی ذوق و صلاحیت کا ثبوت ہیں جو بیشتر ان پڑھ ہیں۔ اور اپنی پوری زندگی دیہی معاشرت میں گزار دیتی ہیں۔ ان میں سب سے باریک، خوبصورت اور کمیاب کام ڈیرہ بگٹی کے علاقہ کا ہے۔ جو خواص میں تحفہ و تحائف کے کام آتا ہے۔ تربیت، نوشکی اور قلات کا کام بھی مشہور ہے۔ دھاگہ کے ساتھ ساتھ شیشہ کا استعمال درہ بولان کے کنارے واقع لہڑی کے علاقے کی خصوصیت ہے۔ ان میں قمیض، گلے، گریباں، چادر، شال، ہیڈ کور، ٹیبل، کلاتھ، کشن، ٹی کوزی، پرس، بیگ اور روزمرہ استعمال کی دیگر اشیاء شامل ہیں۔

کھانے کی روایتی مقامی ڈشز میں گوشت کو مختلف طریقوں سے بھون کر کھانا پسند کیا جاتا ہے۔ مہمان نوازی کیلئے بھی گوشت کے روایتی کھانے یہاں کی ثقافت کا حصہ ہیں۔ ان میں سجی، کھڈی کباب، لاندی، روش، چپل کباب، تکہ اور کڑاھی گوشت بہت مشہور ہیں۔ مری بگٹی کے علاقہ کی نرم اور لذیذ سجی کہیں اور دستیاب نہیں۔ ''کھڈی کباب'' کیلئے سالم بکرے کو آلائش سے پاک کر کے اور مخصوص مصالحے لگا کر رکھ دیا جاتا ہے اور پھر تندور نما گڑھے میں ایک سیخ پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ اس تندور میں آگ جلا کر بکرے کو اوپر سے بند کر دیا جاتا ہے۔ اور اوپر سے بھی تپش پہنچائی جاتی ہے۔ مخصوص مصالحہ جات میں بھنا ہوا گوشت بہت لذیذ اور ذائقہ دار ہوتا ہے۔

تیسری خصوصیت یہاں کے بُنے ہوئے بین الاقوامی شہرت یافتہ قالین ہیں۔ قالین بانی کے بڑے مراکز پڑوسی ممالک افغانستان و ایران ہیں۔ افغانی قالین سرخ رنگ کے ڈیزائن میں ہوتا ہے جبکہ ایرانی قالین بیل بوٹوں میں ہلکے رنگ کے ریشمی دھاگے سے بنے ہوتے ہیں۔ دوہری گرہ والے ہاتھ کے بنے ہوئے یہ قالین انتہائی دبیز، جاذب نظر اور بیش قیمت ہوتے ہیں۔

کینٹ میں شام کی سیر

عصر کے بعد ہم ڈاکٹر جمال ناصر کے ہمراہ واک کیلئے کینٹ گئے۔ یہاں شارع گلستان پر گھنے درختوں کے نیچے سبزہ اور پھولوں کے درمیان پیدل چلنے کیلئے علیحدہ پختہ روش موجود ہے۔ جو کوہ مردار کے دامن تک جاتی ہے اس خوشگوار ماحول اور ٹھنڈی شام کے دھندلکے میں مرشد کے ہمراہ سیر کا لطف بہت پُر کیف تھا۔ اس دوران آپ نے ہماری تربیت کیلئے مختلف علمی، روحانی اور نجی موضوعات پر علم و دانش کے موتی بکھیرے جو شعور کی بالیدگی اور وجدان میں انشراح کا باعث بنے۔ مرشد کریم نے بتایا کہ کس طرح ان کی ملاقات حضور قلندر باباؒاولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے اردو ڈان کراچی کے دفتر میں ہوئی، تعلق خاطر بڑھا تو آپ کے روحانی درجات کا علم و مشاہدہ ہوا۔

راوی کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ قلندر باباؒاولیاء کا ان کے مرشد حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ سے تعارف کا ذریعہ بھی حضور الشیخ عظیمی بنے تھے۔ آپ نے حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ کی تالیف ایک کتاب حضور قلندر باباؒاولیاء کو لا کر دی۔ یہ کتاب حضور قلندر باباؒاولیاء کو بہت پسند آئی اور ان کی آپس میں ملاقات کا باعث بنی اور بعد ازاں حضور قلندر باباؒاولیاء ان سے بیعت ہوئے۔ کتاب پسند کرتے ہوئے حضور قلندر باباؒاولیاء نے مرشد کریم الشیخ عظیمی سے فرمایا تھا کہ اگر ایک خاص زاویہ نظر سے کسی کتاب کو پڑھا جائے تو مصنف کا ذہن سامنے آجاتا ہے۔ اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے یہ کتاب کس نسبت اور نیت سے لکھی ہے۔ روحانی کیفیات و واردات میں مشاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ شروع دنوں میں جب میں حضور قلندر باباؒاولیاء کے خطوط پڑھ کر آپ کو سناتا تھا تو ان میں خواتین و حضرات کے مشاہدات کا ذکر ہوتا تھا۔ جنہیں پڑھ کر میں بہت رنجیدہ ہوتا کہ میں ہر دم آپ کی صحبت و قربت میں ہونے کے باوجود مشاہدہ سے محروم ہوں اور جو دور ہیں ان پر اتنی نظر کرم ہے۔ بہر حال میں اپنے اسباق اور کام میں لگا رہا اور اللہ تعالیٰ نے مجھ مسکین پر فضل و کرم فرما دیا۔ الحمد اللہ!

شجرۂ عالیہ

امام حسن عسکری

(گیارہویں امام)

فضیل مہدی عبداللہ عرب

(جد امجد دادا نانا دونوں)

مدینہ سے مدراس تشریف لائے

ننھیال

حسن مہدی جلال الدین

(مدراس میں رہے)

حسن مہدی صدر الدین

حسن مہدی بدر الدین

محمد تاج الدینؒ

(غیر شادی شدہ)

(تاج الاولیاء حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ)

حسن مہدی سراج الدین

([illegible])

مہر النساء

حسن مہدی ظہیر الدین

(لاولد)

سعیدہ

حسن اخریٰ محمد عظیم برخیاؔ

(المعروف قلندر بابا اولیاءؒ)

دادھیال

حسین مہدی رکن الدین

(مدراس سے کشمیر آئے ہری پور ہزارہ میں مقیم ہو گئے

۱۴۹ سال ۸ ماہ عمر پائی)

مخدوم حسین مہدی جمال الدین

عرف اللہ دین

حسین مہدی بدیع الدین شیر دل

حسن اخریٰ محمد عظیم برخیاؔ

177

سنگ بنیاد۔۔۔۔۔۔ سلسلہ عظیمیہ

ابدال حق حسن اخری سید محمد عظیم برخیا حضور قلندر باباؒاولیاءؒ کے دست کرم سے آپ کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب سلسلہ عظیمیہ کی بنیاد سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں شرف قبولیت کے بعد جولائی 1960ء میں رکھی گئی۔

ایک روز مرشد کریم نے سلسلہ عظیمیہ کی بنیاد رکھنے کے لئے حضور قلندر باباؒاولیاءؒ کی خدمت میں درخواست پیش کی۔ حضور بابا صاحبؒ نے مرشد کریم کی یہ درخواست بارگاہ سرور کائنات، فخر موجودات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش کی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے درخواست قبول فرمانے کے بعد سلسلہ عظیمیہ قائم کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔

خانوادۂ سلاسل

سلسلہ عظیمیہ جذب و سلوک دونوں شعبوں پر محیط ہے۔ امام سلسلہ عظیمیہ، ابدال حق، سیدنا مرشدنا حسن اخریٰ محمد عظیم برخیا المعروف حضور قلندر باباؒاولیاءؒ خصوصاً گیارہ سلاسل طریقت کے مربی و مشفی ہیں اور حسب ذیل گیارہ سلاسل کے خانوادہ ہیں۔

قلندریہ: امام سلسلہ حضرت ذوالنون مصریؒ

نوریہ: امام سلسلہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضاؒ

چشتیہ: امام سلسلہ حضرت ممشاد دینوریؒ

نقشبندیہ: امام سلسلہ حضرت شیخ بہاءالحق نقشبند خواجہ باقی باللہؒ

سہروردیہ: امام سلسلہ حضرت ابوالقاہرؒ

قادریہ: امام سلسلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

طیفوریہ: امام سلسلہ حضرت بایزید بسطامیؒ

جنیدیہ: امام سلسلہ حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ

ملامتیہ: امام سلسہ حضرت ذوالنون مصریؒ

فردوسیہ: امام سلسلہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ

تاجیہ: امام سلسلہ حضرت محمد صغریہ تاج الدینؒ

سلسلہ عظیمیہ میں طالب کو اسی روحانی رنگ میں رنگا جاتا ہے جس رنگ میں اس کی افتاد طبع ہے۔

سلسلہ عظیمیہ میں روایتی پیری مریدی نہیں ہے۔ نہ جبہ و دستار ہے نہ منبر و محراب۔ اگر کسی کو در عظیم سے کچھ لینا ہے تو اس کے لئے خلوص اور طالب علم کے لئے ذوق و شوق کا ہونا کافی ہے۔

راوی نے حضور قلندر بابا اولیاءؒ اور مرشد کریم کی سولہ سالوں پر محیط قربت اور اس میں شامل محبت و عقیدت اور اخلاص و وفا کو ذہن میں لاتے ہوئے عرض کیا کہ آپ نے اپنے مرشد سے بے مثال محبت و خلوص کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ یہ سن کر مرشد کریم چلتے چلتے رک گئے اور فرمایا لوہا مقناطیس کو نہیں کھینچتا۔ بلکہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ کشش لوہے میں نہیں مقناطیس میں ہے۔ یہ مرشد ہی کی محبت والفت ہوتی ہے۔ جو وہ اپنے مرید کیلئے رکھتا ہے۔ اور مرید مرشد کی محبت کا عکس ہوتا ہے جو وہ اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے۔ جس کی شدت ہی مرشد کریم سے فیض منتقل ہونے کا باعث بن جاتی ہے۔

بات روحانی علوم سے نفسیات پر آگئی اور سگمنڈ فرائیڈ کا تذکرہ آنے پر فرمایا کہ میں نے اس کے نظریات کا مطالعہ کیا ہے اس نے جنس مخالف میں کشش کی بنیادی وجہ جنس بتائی ہے۔ ماں بیٹے اور باپ بیٹی کا پیار تو اس نے دیکھا لیکن ماں بیٹی اور باپ بیٹے کا پیار اس کو نظر نہیں آیا۔

بات کی لطافت اور سچائی ذہن پر گہرا نقش چھوڑ گئی اور اس سے تفکر کی راہ کھلتی چلی گئی کہ محبت تو وہ پاکیزہ جذبہ اور آفاقی اصول ہے جس کی بناء پر نظام کائنات متحرک ہے۔ محبت ہی کائنات کی اصل ہے۔

مغرب کے وقت ہم مراقبہ ہال پہنچے جہاں مرشد کریم کی زیر نگرانی مراقبہ ہوا۔ جس کے بعد رات دس بجے تک آپ نے موجود حضرات سے ملاقات فرمائی۔

18 مئی 1998ء

سیمینار

صبح نماز فجر کے بعد مرشد کریم نے اپنے مخصوص مدھر انداز میں نفی اثبات کا ذکر جہری کرایا اور بعد ازاں اجتماعی مراقبہ ہوا۔ آج پانچویں روز کی مصروفیت اسلامیہ گرلز کالج میں ''روحانی علوم اور خواتین کا کردار'' کے موضوع پر ایک سیمینار تھا۔ خواتین اور بچیوں کے اس اجتماع میں محترمہ جبیں، پرنسپل اسلامیہ ڈگری گرلز ڈگری کالج نے مراقبہ کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالی۔

الشیخ عظیمی نے بات کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ بچوں میں وہی معصومیت اور بھولپن ہوتا ہے جو فرشتوں میں ہے۔ اور میں آپ کو چند بنیادی باتیں بتانا چاہتا ہوں جن پر عمل کر کے آپ سب کا مستقبل روشن ہوگا۔ انشاءاللہ

جہاں تک مرد اور عورت کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نظام کے مطابق اس میں نہ مرد کو عورت پر فضیلت ہے اور نہ عورت کو مرد پر۔ قرآن حکیم میں دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر ہے۔

''تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور قرآن پڑھنے والے مرد اور قرآن پڑھنے والیاں اور سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات دینے والے اور خیرات دینے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور نگہبانی کرنے والے شرم گاہ اپنی کے اور نگہبانی کرنے والیاں اور یاد کرنے والے اللہ کے بہت اور یاد کرنے والیاں، تیار کیا ہے اللہ نے واسطے ان کے بخشش اور اجر بڑا۔''

(سورہ احزاب)

"اے انسانو! تم سب کو اللہ نے ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلوں اور خاندانوں میں اس لئے بنایا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً اللہ کے نزدیک وہ شریف ہے جو پرہیز گار ہے۔"

(سورہ الحجرات)

اللہ کے ہاں مرد اور عورت دونوں کا اجر عظیم ہے۔ اگر فضیلت ہے تو وہ اس بناء پر ہے کہ عورت یا مرد کا اللہ سے کتنا تعلق ہے۔

کائنات میں نسل انسانی کے تخلیقی مراحل پر غور کیا جائے تو عورت کا جتنا کام ہے۔ مرد اس کا عشر عشیر بھی نہیں کرتا۔ پیدائش تک ماں کے پیٹ میں بچے کی تخلیق، پیدائش کا مرحلہ پھر بچے کی پرورش اور دودھ پلانا۔ ان تمام مراحل پر عورت ہی تخلیقی رکن کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ماں بچے کیلئے ساری ساری رات جاگ کر گزارتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔

اولیاء اللہ خواتین کیلئے ہم نے تحقیق و تلاش کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ اب تک دو سو پینتیس (235) اولیاء اللہ خواتین کے حالات، کشف و کرامات اور فرمودات جمع ہو چکے ہیں۔

تاریخ میں اسلام سے قبل معاشرہ میں عورت پر دہ ستم ڈھائے گئے ہیں کہ اس کی حیثیت جانوروں سے بھی بدتر ہو گئی تھی۔ کنیزوں جیسا سلوک روا رکھا گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں زنجیریں ڈال کر قید و بند میں رکھا جاتا تھا۔ اور مال مویشی کی طرح عورتوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اللہ نے اپنے محبوب بندے اور رسول ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے عورت کو اس ظلم و ستم اور ذلت و رسوائی سے بچانے کیلئے قوانین بنائے اور لوگوں کو بتایا کہ عورت اور مرد دونوں اللہ کی مخلوق ہیں۔

دین اسلام کی ترویج میں خواتین کا بہت بڑا حصہ ہے۔ سب سے پہلی ہستی جو ایمان لائیں وہ حضرت خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اسلام میں پہلی شہید بھی ایک خاتون حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ مرشد کریم الشیخ عظیمی نے اسلام کے فروغ میں خواتین کے عملی کردار پر تفصیل سے بات کرتے ہوئے سیرت طیبہ پر اپنی تالیف کتاب محمد رسول اللہ ﷺ کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی اسلام کی آبیاری کے لئے نمایاں جدوجہد کی ہے۔

آپ غور فرمائیں تمام انبیاء عورت سے ہی پیدا ہوئے۔ اللہ کے حبیب، رحمتہ اللعالمین جو تخلیق کائنات میں نور اول ہیں۔ بی بی آمنہؓ ان کی والدہ ماجدہ ہیں۔ مرد اور عورت دونوں ہی واجب الاحترام ہیں۔ دونوں کے مساوی حقوق ہیں۔ ماں کا بہت بڑا مقام ہے۔ جنت ماں کے قدموں میں ہے۔ اسی طرح میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ کیا کوئی ذی ہوش اپنے لباس کو نوچتا کھسوٹتا ہے؟ اگر

میاں بیوی میں ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات سے آگاہ نہیں ہے۔ اگر مرد علم حاصل کر کے فضیلت حاصل کر سکتا ہے۔ تو عورت بھی یہ فضیلت حاصل کر سکتی ہے۔ آپ نے حضرت رابعہ بصریؒ کے بارے میں سنا ہو گا۔ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ان کو آدھا قلندر کہا جاتا ہے۔ کیا عورت آدھی ڈاکٹر یا آدھی انجینئر ہوتی ہے۔

عورت ہر میدان میں اگر وہ چاہے تو فضیلت حاصل کر سکتی ہے۔ چاہے وہ سائنس ہو، دستکاری ہو، صنعت و حرفت ہو، بینکنگ ہو، انجینئرنگ ہو، علم دین ہو یا روحانیت ہو۔ دنیائے اسلام میں سب سے زیادہ احادیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنی کنیت اپنی بیٹی کے نام سے اس لئے رکھی کیونکہ فقہی مسائل میں وہی ان کو مشورے دیا کرتی تھیں۔

آپ نے فرمایا۔

دور بدلتے رہتے ہیں۔ ایک دور مسلمانوں کا تھا اور وہ ساری دنیا پر حکمران تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر دس ہزار سال بعد دنیا کا جغرافیہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اللہ کی عطا کردہ بصیرت کے تحت یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آئندہ دور خواتین کا ہو گا۔ ان کو دنیا کا نظام چلانا ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلم عورت آگے آئے اور رسول اللہ ﷺ کے دین اور مشن کو اس طرح پھیلا دے کہ ساری دنیا میں اسلام پھیل جائے۔ اگر خواتین اسلام کی تعلیمات کو سمجھ لیں، رسول اللہ ﷺ کے مشن کو جان لیں۔ حضرت سمیہؓ کی طرح جانباز بن جائیں، حضرت رابعہ بصریؒ کی طرح اپنی روحانی صلاحیتوں کو بیدار کر لیں تو مسلمان عورت ساری دنیا میں ذی احترام بن جائے گی۔

آخر میں مرشد کریم نے روحانی آگاہی کے حصول کے لئے روح کے عرفان پر زور دیتے ہوئے مراقبہ کی اہمیت جامع اور دلنشین انداز میں بیان کی اس کے بعد مراقبہ ہال کی ممتاز خواتین میں اعزازی اسناد تقسیم کی گئیں۔ اس تقریب میں بشریٰ عظیمی، حمیرا قیوم، ڈاکٹر رابعہ اختر، صوفیہ، شازیہ، طیبہ اور صدف نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

بلوچستان کا پس منظر

وادی کوئٹہ میں داخل ہونے کیلئے صدیوں سے درۂ بولان استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے۔ پہاڑی سلسلوں کے درمیان سے گزرنے والا تنگ راستہ ''درۂ'' کہلاتا ہے۔ درۂ بولان سبی کے راستے کوئٹہ کو پنجاب اور بالائی سندھ سے ملاتا ہے۔ ٹرین کیلئے درۂ بولان کے پہاڑوں میں 21 سرنگیں بنائی گئی ہیں جبکہ دوسری جانب کوئٹہ کا اہم جغرافیائی رابطہ چمن کے ذریعے افغانستان سے قائم ہے جو ''درۂ خوجک'' سے گزرتا ہے۔ ڈھائی کلومیٹر سرنگ درۂ خوجک میں ہے۔ جہاں سے ٹرین گزر کر چمن پہنچتی ہے۔ تیسرا درۂ جو کوئٹہ کو

قلات سے ملاتا ہے۔ لک پاس کہلاتا ہے۔ لک پاس سے گزر کر ایک راستہ نوشکی کے ذریعے زاہدان، ایران چلا جاتا ہے جبکہ دوسرا راستہ آر سی ڈی ہائی وے کے ذریعے کوئٹہ کو براستہ خضدار کراچی سے ملادیتا ہے۔

محمد بن قاسم اور محمود غزنوی بھی ہندوستان میں بلوچستان کے راستے ہی داخل ہوئے۔ بلوچستان میں انتہائی متضاد بلند وزیریں علاقے شامل ہیں۔ان میں سطح مرتفع سے لے کر انتہائی بلند و بالا پہاڑ کوہ سلیمان بھی شامل ہے جو K-2 پہاڑ کے سلسلے کے بعد ملک کا بلند ترین پہاڑ ہے۔

محمد بن قاسم اور محمود غزنوی بھی ہندوستان میں بلوچستان کے راستے ہی داخل ہوئے۔ بلوچستان میں انتہائی متضاد بلند وزیریں علاقے شامل ہیں۔ان میں سطح مرتفع سے لے کر انتہائی بلند و بالا پہاڑ کوہ سلیمان بھی شامل ہے۔ جو K-2 پہاڑ کے سلسلے کے بعد ملک کا بلند ترین پہاڑ ہے۔

بلوچستان رقبہ کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ پاکستان کی صرف پانچ فیصد آبادی ملک کے 40 فیصد رقبہ پر رہائش پذیر ہے۔ 3 لاکھ 47 ہزار سکوائر کلومیٹر پر محیط یہاں کی آبادی صرف 65 لاکھ ہے۔

یہاں سبی، نصیر آباد اور دالبندین جیسے ملک کے گرم ترین خطے بھی ہیں جہاں گرمیوں میں درجہ حرارت 52 ڈگری سینٹی گریڈ تک جا پہنچتا ہے۔ اور کوئٹہ، زیارت و قلات جیسے سرد ترین علاقے بھی موجود ہیں جہاں سردیوں میں درجہ حرارت اکثر نقطہ انجماد سے نیچے رہتا ہے اور موسم کی شدت میں منفی دس ڈگری سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے۔ وادی زیارت اور کان مہتر زئی کا علاقہ ہفتوں سفید برف کی دبیز تہہ سے ڈھکا رہتا ہے اور پہاڑوں پر جمی شفاف برف سورج کی سنہری کرنوں کو منعکس کرتی ہے۔

بلوچستان میں نصیر آباد کی زرخیز زمین سے لے کر مکران و خاران کے دشت مشہور ہیں جہاں زمین صدیوں سے پیاسی ہے۔ اور یہ صحرا قطرہ قطرہ پانی کو ترستے ہیں۔ صوبہ میں 50 لاکھ ٹن اجناس اور کئی لاکھ ٹن پھل پیدا ہوتا ہے۔

560 کلومیٹر پر مشتمل پاکستان کی دو تہائی سے زائد ساحلی پٹی بلوچستان کے مکران ڈویژن میں واقع ہے۔ ان ساحلی شہروں میں سونمیانی اور ماڑہ، پسنی، گوادر اور جیونی شامل ہیں۔ یہ ساحلی پٹی ایران کی سرحد سے شروع ہو کر بحیرہ عرب کے ساتھ ساتھ واقع دریائے جب پر ختم ہوتی ہے۔ گہرے گرم پانی کی قدرتی بندرگاہ گوادر جغرافیائی اہمیت کی حامل ہے جہاں سے وسطی ایشیاء کے ممالک تک تجارت کے انتہائی اہم مواقع موجود ہیں۔

صوبہ کے قدرتی وسائل میں اہم پیداوار قدرتی گیس ہے۔ جو پاکستان میں سب سے پہلے بلوچستان کے مقام سوئی سے دریافت ہوئی تھی اور اسی نسبت سے سوئی گیس کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ ٹن کوئلہ کی سالانہ پیداوار ہے۔ سنگ مرمر، کاپر، لوہا، سلفر، کرومیم یہاں کی دیگر پیداوار ہیں۔

وادی اوڑک

ہم دن کے ڈیڑھ بجے مراقبہ ہال سے وادی اوڑک روانہ ہوئے۔ کوئٹہ کے شمال مشرق میں واقع یہ وادی سیب، آڑو اور خوبانی کے باغات کیلئے مشہور ہے۔ قد آدم جنگلی گلاب کے پودے سڑک کے ساتھ ساتھ باغات کے کنارے نہایت بھلے لگتے ہیں۔ پھل اور پھول کی خوشبو وادی میں داخل ہونے والے افراد کو خوش آمدید کہتی ہے۔ یہاں ولی تنگی ڈیم سے آنے والا قدرتی چشموں کا صاف، شفاف اور ٹھنڈا پانی آبشار کی صورت میں گرتا ہے۔ پھلوں کے باغات اور قدرتی مناظر کے درمیان بہنے والا یہ پانی وادی کے فطرتی حسن کو دوبالا کرتا ہے۔ ریسٹ ہاؤس میں ون ڈش پارٹی کا اہتمام تھا۔ سبھی میزبان اور مہمان تھے۔ ٹیرس پر قسم قسم کے کھانے سجے تھے اور بھوک بھی خوب لگ رہی تھی۔ مرشد کریم کے ہمراہ ہر ساتھی نے کھانے کا دوہرا لطف محسوس کیا۔

علمی نشست

کھانے سے فارغ ہو کر سب بہن بھائی مرشد کریم کے ہمراہ ریسٹ ہاؤس سے اوپر آبنوشی کیلئے تعمیر کئے گئے ڈیم کی جانب روانہ ہوئے۔ اونچے پتھریلے پہاڑوں، صاف شفاف فضاء اور ٹھنڈے موسم میں بہتے پانی کا شور اور وادی کا حسن ہر ایک کو اپنی جانب متوجہ کئے ہوئے تھا۔ ہم سب ڈیم سے آگے بہتے پانی کے کنارے ایک درخت کے نیچے مرشد کریم کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔

ایک سوال کے جواب میں مرشد کریم نے فرمایا کہ روحانیت کا پہلا سبق مراقبہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر آدمی کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ طالب کو زیادہ سے زیادہ وقت مراقبہ کو دینا چاہئے۔ تاکہ وہ روحانیت کی دنیا میں قدم رکھ سکے۔ اگر کوئی شخص محنت نہیں کرتا اور روحانیت کو پھونکوں کا مرہون منت سمجھتا ہے تو یہ غلط فہمی ہے۔ ہر سالک کو چاہئے کہ وہ سلسلے کا لٹریچر پڑھے تاکہ اسے تھیوری کا علم حاصل ہو سکے اور پھر مراقبہ کرے تاکہ وہ عملی طور پر (پریکٹیکل کر کے) روحانیت سیکھ سکے۔

اس محفل میں اب قدرتی مناظر کی بجائے ہر کسی کی توجہ اس ہستی کی طرف مبذول و مرکوز ہو چکی تھی جو انہیں اپنے جلو میں لئے وہاں آیا تھا اور محفل میں عرفان و آگہی کی روشنی الفاظ کی کرنوں کی صورت پھیلتی جا رہی تھی جس سے شعور کی تاریکی دل و دماغ کی جلاء میں تبدیل ہو رہی تھی۔

آپ نے کہا!

ہمارا شعور ایک چراغ کی طرح ہے۔ جس میں مرشد تیل ڈالتا ہے۔ جب تیل بھر جاتا ہے۔ مرشد دیا سلائی سے اس چراغ کو روشن کر دیتا ہے۔ اس طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ چراغ بننے کیلئے ضروری ہے کہ مرشد جو کہے وہ کریں ذکر و فکر میں کوتاہی نہ کریں۔ یہ سب ٹیم ورک ہے ایک دوسرے کا بہت زیادہ احترام کریں۔ دوسرے مذاہب کے افراد کو برا نہ کہیں۔ اولاد کی سرزنش کسی دوسرے کے سامنے نہ کریں اور نہ ہی اولاد کی برائی کسے کے سامنے بیان کریں۔ اس طرح اولاد نافرمان ہو جاتی ہے۔ خواتین قرآن کریم میں اپنے حقوق کا بغور مطالعہ کریں۔ غصہ سے بچیں۔ غصے کے وقت سامنے سے ہٹ جائیں اور ٹھنڈے پانی پر یا درود پڑھ کر پی

لیں۔ خوش رہا کریں، دوسروں کی غلطیوں کو نظرانداز کریں اور مناسب طریقہ سے سمجھائیں۔ اتنی زیادہ معافی دیں کہ انا ٹوٹ جائے جہاں ضرورت ہو وہاں سرزنش بھی کریں۔ والدین کا بہت زیادہ ادب کریں۔ ان کی خدمت کریں۔ وقت نکال کر ان کے پاس بیٹھیں ان کی دعائیں لیں۔

سلسلے کے قواعد وضوابط کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ سلسلہ کے اغراض ومقاصد اکثر پڑھتے رہنا چاہئے۔ ہفتے میں کم از کم ایک بار ضرور پڑھیں۔ اللہ تک پہنچنے کا آسان راستہ دین ودنیا کو اعتدال میں ساتھ ساتھ لے کر چلنا اور اس عمل پر استقامت ہے۔ معاش میں بھرپور جدوجہد کریں۔ لیکن دنیا کو مقصد حیات نہ بنائیں۔ جو کچھ استاد کہے اسے تسلیم کریں سمجھ میں نہ آئے تو استاد سے پوچھیں۔

تعلیم میں محنت اور وقت کی پابندی ضروری ہے۔ اپنی کم علمی اور دوسرے کی صلاحیت کو تسلیم کریں۔ اللہ نے جو مقام آپ سے اوپر والوں کو دیا ہے اس کا احترام کریں۔ آپ کے افسر کے حقوق بھی آپ کے ذمے ہیں اور ماتحت کے حقوق بھی آپ کے ذمے ہیں۔ پہلے خود کو اور اپنے گھر کو درست کریں۔ جو آپ اندر ہیں وہ باہر رہیں۔ جو باہر ہیں وہ اندر ہونا چاہئے۔ منافقت آدمی کو دیمک بن کر چاٹ جاتی ہے۔

اللہ تک رسائی حاصل کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس سلسلے میں جتنی بھی ضروریات ہیں ان کو پورا کریں۔ دنیاوی علم حاصل کریں۔ باطنی علوم بھی سیکھیں۔ پیغام پہنچانے سے پہلے اپنے اندر صلاحیت بیدار کرنا ضروری ہے۔ وہ طرز فکر پیدا کریں جو اللہ تک پہنچاتی ہے۔ طرز فکر دو قسم کی ہوتی ہے۔ عارضی طرز فکر اور مستقل طرز فکر۔ مرشد کی طرز فکر مستقل ہوتی ہے۔ اس کا رنگ کچا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

دھیمے لیکن جاندار، پراثر اور مضبوط لہجے میں کہی گئی یہ تمام گفتگو وہاں موجود حاضرین کے اندر روشنی بکھیر گئی۔ سبھی ماحول سے بے خبر شیریں کلامی کی چاشنی میں کھوئے ہوئے تھے۔

مشاہدہ ممکن ہے؟

شام کے ڈھلتے سائے اس محفل پر چھا رہے تھے۔ سب واپس ریسٹ ہاؤس پہنچے لیکن تفریح وآگاہی کا یہ سفر ابھی جاری تھا۔ چائے کے دوران ایک صاحب نے شکوہ سنج لہجے میں کہا کہ ان سے کسی صاحب نے کہا ہے کہ مشاہدہ ہونا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ اس پر آپ نے نہایت مدلل انداز و مشفقانہ لہجے میں فرمایا۔

''اگر ایک مقدمہ قتل میں گواہ عدالت کو بتائے کہ میں نے دیکھا تو نہیں لیکن فلاں سے سنا ہے کہ اس طرح قتل ہوا ہے۔ تو کیا عدالت سنی سنائی بات پر گواہی تسلیم کرے گی؟ گواہی کیلئے لازم ہے کہ گواہ نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو بلا مشاہدہ گواہی کیسے قابل قبول ہو گی۔''

قرآن حکیم میں ارشاد ہے

کہ یہ جاہل اور گنوار لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور مومن بن گئے بھلا یہ مومن کیسے بن سکتے ہیں جبکہ ایمان تو ابھی ان کے قلوب میں داخل ہی نہیں ہوا۔ہاں یہ مسلمان ضرور ہو گئے ہیں۔

ایمان کا تعلق دل کے مشاہدے اور گواہی سے ہے اور گواہی تب ہی قبول اور معتبر ہے جب آپ نے کچھ دیکھا ہو۔یہ امر تو بذات خود اس بات کی دلیل ہے کہ مشاہدہ ہو سکتا ہے۔

اسی بات کو دوسری طرح سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ ہماری روح عالم ارواح میں روز ازل اللہ کو دیکھ چکی ہے اللہ سے ہم کلام ہو چکی ہے۔

اس کے رب ہونے کا اقرار کر چکی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی روح سے واقف ہو جائیں۔جب ہم اپنی روح سے واقف ہو جائیں گے تو ہم ضرور اس مشاہدے کو حاصل کر لیں گے جو روح پہلے کر چکی ہے۔نماز مغرب جماعت سے ادا کی گئی اور مراقبہ کے بعد واپسی ہوئی۔

19مئی1998ء

وادیٔ زیارت

شام کی سیر

19مئی1998ء

وادی زیارت

زیارت کوئٹہ سے 133 کلومیٹر دور سطح سمندر سے 8500 فٹ بلند تفریحی مقام ہے۔ زیارت کا نام ایک بزرگ خرواری بابا کے مزار کی وجہ سے مشہور ہوا۔ اس کی شہرت کی دوسری وجہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی نسبت سے ہے۔ جنھوں نے اپنے آخری لمحات یہاں ریذیڈنسی میں گزارے۔ قائداعظم ریذیڈنسی انگریزوں کے دور میں تعمیر کی گئی تھی۔ لکڑی کی تعمیر کردہ یہ خوبصورت عمارت فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کے وسیع و عریض سرسبز لان، چنار کے درختوں اور پھولوں سے مزین ہیں۔ دنیا میں صنوبر کے درختوں کا دوسرا بڑا قدرتی جنگل بھی وادی زیارت میں واقع ہے۔

زیارت کا اصل حسن اس کے قرب وجوار کے تفریحی مقامات میں ہے۔ جہاں قدرتی مناظر کا فراوانی انسان کو شہر کے شور وغل سے منزا کرتے ہوئے فطرت سے قریب کرتی ہے۔ ان میں سر فہرست بابا خرواری کا مزار ہے۔ زیارت سے 8 کلومیٹر دور پہاڑوں اور جنگل میں یہ مزار ایک زیریں وادی میں واقع ہے۔ اسی طرح وادی چوتیر زیارت سے لورالائی کی جانب 13 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سیب کے باغات، درختوں سے بھرے ہوئے پہاڑ اور گھنا جنگل، وادی چوتیر کا خاصہ ہیں۔ وادی چوتیر کی جانب ہی کربی کچھ کا پوائنٹ ہے۔ جہاں قدرتی چشموں کا ٹھنڈا و شیریں پانی دو پہاڑوں کی تنگ گھاٹی کے درمیان بہتا ہے۔ بابا خرواری، وادی زرزری، پراسپیکٹ پوائنٹ، کربی کچھ، وادی چوتیر، زندرہ، مناڈیم اور سنڈیمن تنگی زیارت کے سفر میں قابل دید مقامات ہیں جہاں کی سیر ضرور کرنی چاہئے۔

آج زیارت جانے کا پروگرام تھا۔ ترتیب اس طرح طے پائی کہ مرشد کریم نے پہلے محترمی ڈاکٹر جمال ناصر کے گھر کافی نوش کی۔ ڈاکٹر صاحب کے والد محترم ریٹائرڈ کمشنر شیخ عبدالرشید صاحب سے ملاقات میں شیخ صاحب نے اپنی سروس کے دوران لاہور میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے مرشد کریم حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کا تذکرہ کیا اور ان کی کئی کرامات بیان کیں۔ جن میں سے چند ان کی چشم دید بھی تھیں۔ وہاں سے زیارت روانگی ہوئی بقیہ مہمانان گرامی اور سلسلہ کے بہن بھائیوں نے مراقبہ ہال سے جناب نواب بھائی کے ہمراہ ایک قافلہ کی صورت میں زیارت جانا تھا۔

زیارت کے سفر میں ہم نے ورچوم میں قیام کیا یہاں سب نے چائے اور سنیکس لئے۔اس سے آگے پہاڑی علاقہ شروع ہو گیااور جوں جوں ہم آگے بڑھتے جارہے تھے۔زیارت کی وجہ شہرت جونیپر کا جنگل گھنا ہوتا چلا جارہا تھا۔زیارت سطح سمندر سے ساڑھے آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔لہٰذا سفر میں اونچائی چڑھتے کافی وقت لگتا ہے۔زیارت پہنچ کر لوکل گورنمنٹ کے ریسٹ ہاؤس میں آرام و بعام کا بندوبست کیا گیا۔

شام کی سیر

تازہ دم ہو کر ہم زیارت کی مشہور، قومی ورثہ کی یادگار قائدِاعظم ریزیڈنسی دیکھنے گئے۔کئی سو سال پرانے درختوں میں گھری یہ عمارت 1892ء میں ابتداء ایک سینی ٹوریم کے لئے تعمیر کی گئی تھی جسے بعد میں ایجنٹ برائے گورنر جنرل کی موسم گرما کی رہائش گاہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہاں مراقبہ ہال کا قافلہ بھی ہم سے آن ملا۔اس عمارت کو گھوم پھر کر دیکھنے کے بعد ایف سی ریسٹ ہاؤس پہنچے۔ جہاں مرشد کریم کا قیام تھا۔ یہ ریسٹ ہاؤس وسیع و عریض خوبصورت لان سے مزین ہے۔ یہاں کسی نے مرشد کریم سے ریزیڈنسی کے حوالے سے آپ کے تاثرات پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ وہاں بہت خاموشی و اداسی تھی ایسا لگتا تھا کہ قائدِاعظم کی موجود روح گلہ کر رہی تھی کہ میں نے پاکستان قوم کی اجتماعی خیر و فلاح کیلئے بنایا تھا۔ لیکن ناشکری کا جو عملی مظاہرہ کیا گیا ہے اور اس ملک کا جو حال کیا گیا ہے اس پر میں بہت مغموم اور پریشان ہوں۔ یہ بات سب کیلئے لمحہ فکریہ تھی اور سب کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔

زیارت کی اس تنگ و خوشگوار شام میں مرشد کریم کے ہمراہ ریسٹ ہاؤس کے لان میں چائے پی گئی اور یہ نشست مغرب تک قائم رہی۔ مغرب کے بعد اجتماعی مراقبہ ہوا۔اور رات کے کھانے کے بعد اس خوبصورت وادی میں سب نے چہل قدمی کی۔

20مئی1998ء

نشست ۔۔۔'مزار باباخرواریؒ'

20مئی1998ء

نشست مزار باباخرواریؒ

ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم سب باباخرواریؒ کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ زیارت سے 8 کلومیٹر جنوب میں پہاڑوں میں گھری یہ وادی بے حد قدرتی حسن لئے ہوئے ہے۔ نیچے زیارت گاہ اترنے سے پہلے ایک پراسپیکٹ پوائنٹ ہے۔ یہاں سے پیالہ نماوادی کا نظارہ کیا جاتا ہے۔ سامنے ہی کوہ خلیفت کی چوٹی نظر آتی ہے اور اس پر چوٹی کی تراش خراش لفظ اللہ واضح کرتی ہے۔ مرشد کریم کے ہمراہ سب نے ریسٹ ہاؤس کی بالکونی سے اس لفظ کا مشاہدہ کیا۔

باباخرواریؒ کے مزار پر فاتحہ کے بعد مرشد کریم نے ہم سب ساتھیوں سے دریافت کیا کہ جیسی محنت ہم نے دنیاوی علوم کے حصول کیلئے کی ہے۔ کیا ویسی ہی تگ ودو اور محنت روحانی علوم کے حصول کیلئے بھی کی جارہی ہے؟ سب کا جواب نفی میں تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ دنیاوی علوم میں میٹرک، انٹر اور اس کے بعد پیشہ ورانہ تعلیم کے حصول کے لئے مجموعی طور پر 17 سال لگتے ہیں۔ اور ان سترہ سالوں میں کم و بیش روزانہ دس گھنٹے محنت کی جاتی ہے۔ تب کہیں جا کر آپ ڈاکٹر، انجینئر یا اکاؤنٹنٹ وغیرہ بنتے ہیں۔ صرف میٹرک کرنے میں 35 ہزار 6 سو گھنٹہ کا وقت، محنت اور اسی مناسبت سے رقم خرچ ہوتی ہے۔ تب کہیں جا کر طالب علم اس قابل ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک شعبہ کا انتخاب کر سکے۔ آج کل تو میٹرک کے بعد چپڑاسی کی نوکری بھی نہیں ملتی۔

اس کے برعکس روحانی علوم کیلئے روزانہ بمشکل پندرہ بیس منٹ مراقبہ کیا جاتا ہے۔ اور تین چار ماہ بعد ہی شکوہ ہوتا ہے کہ ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ان تین چار ماہ میں بھی باقاعدگی نام کی چیز نظر نہیں آتی۔ روحانی علوم جن کی افادیت اور دائرہ کار ایک دو نہیں بلکہ بے شمار عالمین کی زندگی اور نظام پر محیط ہے۔ کیا اس کی اہمیت میٹرک سے بھی کم کر دی جائے؟

علمی توجیہ

ان توجہ طلب اور فکر آموز ارشادات پر تفکر سے یہ بات زیادہ واضح انداز میں سمجھ آئی کہ روحانیت میں عمل پہلے اور علم بعد میں ملتا ہے۔ جبکہ مادیت اس کے برعکس ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مرشد کے حکم پر پوری جوانی خانقاہ میں صرف پانی بھرنے میں گزار دیتے ہیں۔ خواجہ غریب نوازؒ اتنی محنت نہ کرتے یا اس محنت کی توجیہ جاننا شروع کر دیتے کہ میں تو

روحانی علوم حاصل کرنے آیا ہوں نہ کہ پانی بھرنے یا یہ کہ پانی بھرنے کا علم سے کیا تعلق ہے؟ تو وہ یہ علم حاصل نہ کر پاتے۔ روحانیت کا پہلا سبق باادب بانصیب اور دوسرا سبق عمل ہے۔

بابا خرواریؒ کے مزار سے مرشد کریم کے ہمراہ وادی ززری کے خاموش اور زیریں جنگل کی سیر کا پروگرام بنا جبکہ دیگر افراد واپس زیارت روانہ ہو گئے۔ وادی ززری کیلئے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر پتھریلا اور کچا راستہ بنایا گیا ہے۔ یہ راستہ پہاڑی کے ساتھ ساتھ گھومتا ہوا انتہائی دشوار گزار اور خطرناک ہے۔ لیکن یہاں فطرت کا بے محابہ حسن نگاہوں کو خیرہ کئے رکھتا ہے یہاں کوک وغیرہ پی کر جب ہم کافی تاخیر سے واپس زیارت پہنچے تو بقایا ساتھی وادی چوتیر روانہ ہو چکے تھے۔ چوتیر ریسٹ ہاؤس میں آرام وبعام کے بعد واپس کوئٹہ روانہ ہوئے۔ وادی چوتیر زیارت کا خوبصورت ترین علاقہ ہے۔ یہاں کے خستہ ''طور کلو سیب'' اور شیریں ''چیری'' بہت مشہور پھل ہیں۔ جونیپر کے جنگل کے درمیان ان پھلوں کے باغات اور صنوبر کے درختوں کی چھال سے ڈھانکی گئیں۔ مٹی کی جھونپڑیاں دیہی ثقافت کی علامت کے طور پر نہایت دلکش منظر پیش کرتی ہیں۔ ہم واپسی پر 'کچھ' کے مقام پر نماز مغرب اور چائے کیلئے رکے کوئٹہ یہاں سے 80 کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ رات کے 9 بج رہے تھے جب ہم کوئٹہ پہنچے۔ دن بھر کے ایڈونچر کے بعد مرشد کریم نے آرام فرمایا۔ کھانے کے بعد چند دوستوں نے ایک خصوصی نشست طے کر رکھی تھی۔ ان مہمانان گرامی سے بات چیت کے دوران آپ نے ارشاد فرمایا کہ مرد کامل جب تربیت حاصل کر لیتا ہے تو اس کے ذہن کا یہ پیٹرن بن جاتا ہے کہ وہ کسی بھی غلطی پر فوراً استغفار کرتا ہے اور شرمندگی وانکساری کا اظہار کرتا ہے۔ جبکہ عام فرد اپنی غلطی تسلیم ہی نہیں کرتا دوسرا یہ کہ روحانی لوگ ہمیشہ دوسروں کی دل آزاری سے بچتے ہیں۔ روحانیت میں سب سے بڑی رکاوٹ مردم آزاری ہے جس سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ مردم آزاری سے بہر حال بچنا چاہئے۔ مرشد کریم کے 9 روزہ دورہ کی یہ آخری شب تھی۔ سفر کے تھکن آمیز احساس پر حاوی اس فکر میں اجازت لے کر راوی آپ سے رخصت ہوتا ہے۔

21مئی1998ء

روحانی محفل۔II

۔۔۔’مراقبہ، تفکر،روح‘

روانگی مرشد کریم

21مئی1998ء

روحانی محفل۔II

نماز فجر کے وقت مرشد کریم نے اپنی مدھر آواز میں نفی اثبات کا ذکر کرایااور پھر مراقبہ ہوا۔آج آخری روز تھا۔ناشتہ پر سب ساتھی گذشتہ روز زیارت کے سفر کا تذکرہ کررہے تھے کہ مرشد کریم نے یہ پر مزاح تبصرہ فرمایا کہ یہ تو آرمی کی ڈرل (فوجی مشق) محسوس ہوتی تھی۔

ہلکے پھلکے ناشتہ کے بعد ریلوے اکیڈمی روانگی ہوئی باہر نکلے تو سامنے پہاڑوں پر صبح کی دھوپ بے جان سی نظر آئی۔راوی نے مرشد کریم سے عرض کی حضور کوئٹہ آج اداس ہے۔آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ کوئی بات نہیں کراچی خوش ہو جائے گا۔پھر کہا کہ بھئی آپ خوش رہا کریں۔دوبارہ ملاقات ہوگی۔انشاءاللہ۔افسردگی اچھی بات نہیں ہوتی۔

مرشد کریم ریلوے اکاؤنٹس اکیڈمی پہنچے۔جہاں 9 بجے اکیڈمی کے آفیسران اران کے اہل خانہ کے ساتھ نشست کا اہتمام تھا۔اکیڈمی کے ڈائریکٹر جناب صلاح الدین صاحب اور ڈپٹی ڈائریکٹریس محترمہ سعیدہ بلوچ صاحبہ نے الشیخ عظیمی صاحب کا استقبال کیا۔محترمی نواب بھائی نے مرشد کریم کی علمی کاوشوں اور سلسلہ کی تعلیمات سے حاضرین کو آگاہ کیا۔آپ نے حاضرین کو روحانی علوم سیکھنے کی اہمیت سے آگاہ کیااور حاضرین محفل کو سوالات کی دعوت دی۔

”مراقبہ، تفکر،روح“

ایک صاحب نے سوال کیا۔سپرٹ اور مائنڈ میں کیا فرق ہے؟ان کی حدود کیا ہیں اور مائنڈ پاور فل ہے یا سپرٹ؟

آپ نے فرمایا۔۔۔۔۔انفارمیشن اور انفارمیشن کی سورس (Source of Information and Information)پر یہ ساری کائنات قائم ہے۔دماغ (مائنڈ) کی حیثیت انفارمیشن یعنی اطلاع کی ہے۔اور روح اس اطلاع کا ماخذ اور منبع(Source)ہے۔اگر ماخذ ہی نہ ہو تو اطلاع نہیں ہوگی۔روح، سپرٹ یا Soul پوری زندگی کی دستاویز یا پوری زندگی کا ریکارڈ ہے۔اس دستاویز سے دماغ اخذ کرتا ہے اور آگے بڑھا دیتا ہے پھر اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے یہ مثال دی کہ ہر آدمی

میں پڑھنے لکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ایک آدمی پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بن جاتا ہے۔دوسرا آدمی ہے ایک کلاس بھی نہیں پڑھتا۔اب جس آدمی نے نہیں پڑھا اس کیلئے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس میں صلاحیت نہیں تھی۔اس لئے اس نے نہیں پڑھا۔دراصل اس نے سورس آف انفارمیشن سے اپنے دماغ میں کچھ منتقل ہی نہیں کیا۔اس لئے اس کا مظاہرہ بھی نہیں ہوا۔

دوسرے صاحب نے سوال کیا کہ روحانی علوم سیکھنے کیلئے مراقبہ کے علاوہ کوئی اور آسان راستہ ہو تو بتائیں۔

آپ نے کہا کہ مراقبہ کوئی مشکل عمل نہیں ہے۔مراقبہ روحانیت سیکھنے کا آسان ترین راستہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنے بھی پیغمبر گزرے ہیں۔ سبھی نے مراقبہ کیا ہے۔مراقبہ ایک اصطلاحی نام ہے۔جس کا مطلب ہے غور کرنا، تفکر کرنا یعنی کسی بھی چیز کی بات یکسوئی اور مرکزیت کے ساتھ سوچ بچار Concentration کرنا۔

قرآن حکیم میں سات سو چھپن آیات تفکر، غور و فکر اور تدبر سے متعلق احکامات کا درجہ رکھتی ہیں۔ان ساڑھے سات سو آیات میں کائنات پر غور کرنے، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر تفکر کرنے اور اس قسم کی باتوں پر سوچنے کی دعوت دی گئی ہے۔چاند کیا ہے، سورج کیا ہے، کہکشانی نظام کیا ہیں؟ آپ اپنے گھر میں پانی پر تفکر کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے بنایا ہے۔باغ میں جا کر مختلف پھولوں پر تفکر کر سکتے ہیں کہ ایک ہی قطعہ زمین و یکساں مٹی سے ایک جیسے پتوں اور مختلف رنگوں اور خوشبو والے پھول کیسے نکل آئے۔اس تفکر و فکر کرنے کا اصطلاحی نام مراقبہ ہے۔

مراقبہ میں آنکھیں بند کرنے کیلئے اس لئے کہا جاتا ہے کہ آنکھیں بند کرنے سے یکسوئی جلدی ہو جاتی ہے۔

سائنسی ایجادات غور و فکر ہی کا تو نتیجہ ہیں۔اگر روحانی عالم غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ مراقبہ کہاں سے آگیا؟

میرے عزیز بھائی! کیا شریعت نے سوچنے، غور و فکر کرنے اور تفکر کرنے سے منع کیا ہے؟

ایک صاحب نے یہ جاننا چاہا کہ سلسلہ عظیمیہ کس مسلک سے ہے اور چار سلسلوں میں کس سے وابستہ ہے؟ آپ نے بتایا کہ سلسلہ اور مسلک میں فرق ہوتا ہے۔مسلک کا تعلق فقہ سے ہے اور سلسلہ روحانی تعلیمات کا سکول ہے۔تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اب تک دنیا میں دو سو سلاسل رائج ہوئے۔برصغیر میں چار سلاسل زیادہ معروف ہیں کیونکہ ان کے بزرگوں نے عوام میں زیادہ کام کیا ہے۔یہ سلاسل اس بنیاد پر قائم ہوئے کہ جیسے جیسے نوع انسانی کے شعور نے ترقی کی اسی مناسبت سے سلسلے کے اسباق مرتب ہوئے۔مثلاً آج کے دور میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ شعور انسانی بالغ ہو گیا ہے۔جیسے جیسے قوموں کا ارتقاء ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ان کے لئے راستے متعین ہوتے رہتے ہیں۔اور یہ بات قرآن حکیم کے عین مطابق ہے:

''جو لوگ اللہ کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اللہ ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتا ہے، انہیں ہدایت دیتا ہے۔''

سلسلہ عظیمیہ نے انسانی شعور کی پختگی اور سائنسی علوم کی پیش رفت کو سامنے رکھتے ہوئے اسباق مدون کئے ہیں جن سے انسان آسانی سے روحانی علوم سیکھ سکتا ہے مثلاً لوح محفوظ کو فلم پروجیکٹر یا ٹی وی اسٹیشن کی مثال دے کر آسانی کے ساتھ سمجھایا جا سکتا ہے۔یا روح کے متعلق کمپیوٹر کی مثال دی جا سکتی ہے۔

ایک صاحب نے اپنی تشنگی کا اظہار کچھ اس طرح کیا کہ کیا روح کو جانے بغیر بھی زندگی کا مقصد پورا ہو سکتا ہے؟

آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ روح کو جانے بغیر دنیا کا مقصد تو پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن زندگی کا اصل مقصد روح کو جانے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اب اگر آپ کا یقین ہے کہ اس دنیا کے بعد بھی دوسرا عالم ہے۔ تو جب تک آپ روح کو نہیں جانیں گے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مرنے کے بعد روح ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ گدھے اور انسان میں یہ فرق ہے کہ انسان روح کو جان لیتا ہے اور گدھے کو اللہ نے یہ صلاحیت ہی نہیں دی کہ وہ روح کو جان سکے۔ صلاحیت ہونے کے باوجود بھی آدمی روح کو نہ جانے تو وہ کیا ہوا۔ انسان کا تو مقصد حیات ہی یہ ہے کہ وہ اپنی روح کو جان لے اور اپنی روح کو جان لینے کے بعد اپنے رب کو پہچان لے۔ اب اگر کوئی شخص عرفان ذات اور عرفان الٰہی کے بغیر مرتا ہے تو مرنے کے بعد کی زندگی جو بہت ہی لمبی، طویل اور نہ ختم ہونے والی ہے وہ بہت عذاب میں گزرتی ہے۔

ایک اور صاحب نے سوال کیا۔

جدید نفسیات نے اتنی ترقی کی ہے کہ شعور، لاشعور اور تحت لاشعور کے مختلف درجات بیان کر دیئے گئے ہیں۔ کیا روحانیت میں بھی شعور، لاشعور، تحت لاشعور ہوتے ہیں؟

جواب میں آپ نے بڑے موثر انداز میں بتایا کہ ان باتوں سے روحانیت کا دامن کبھی خالی نہیں رہا۔ بات صرف اتنی ہے کہ انسانی شعور کمزور تھا۔ بات سمجھانے کے باوجود سمجھ نہیں آتی تھی۔ اب جدید علوم میں پیش رفت ہونے اور سائنسی ایجادات سامنے آنے کے بعد روحانی معاملات سمجھنے اور سمجھانے میں بہت آسانی اور سہولت ہو گئی ہے مثلاً بجلی، ریڈیو، ایٹم کی تھیوری، لہروں کا نظام، کمپیوٹر وغیرہ کی مثالیں انسانی ذہن کو بات سمجھنے میں مدد کرتی ہیں۔ اسی طرح زمین کے طبقات اور ان کے رنگ بتا دیئے گئے ہیں۔ اب اس بات کو کون مانے گا کہ زمین کو ایک گائے نے اپنے سینگوں پر اٹھار کھا ہے اور سینگ بدلنے سے زلزلہ آتا ہے۔ آج اس توجیہ کو ایک باشعور آدمی قبول نہیں کر سکتا۔

سارا قرآن روحانیت ہے۔ قرآن کو ایک ارب مسلمان جانتے اور مانتے ہیں۔ مگر قرآن کریم کی روح سے واقف نہیں اسی ہی لئے ذلیل و خوار ہیں۔ ہمارے اسلاف چونکہ قرآن حکیم کی روح سے واقف تھے اس لئے ساری دنیا پر حکمران تھے۔ ایک اور فرق آپ نے بیان کیا۔ مسلمان اور مومن الگ الگ بات ہے جو روحانیت سے واقف ہوتا ہے وہ موحد ہو جاتا ہے مشرک نہیں رہتا۔ الحمد اللہ میرے شاگردوں میں سوائے یہودیوں کے دیگر مذاہب کے لوگ بھی ہیں۔ ایک بار ایک ہندو شاگرد نے میرے اسباق پر ذوق و شوق سے عمل کیا جب اس نے بہت ہی زیادہ ترقی کی تو کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں لیکن میں نے کہا کہ ابھی آپ لگے رہیں حتیٰ کہ ایک دن وہ بہت گھبرایا ہوا آیا کہ رات خواب میں کرشن جی نے کہا کہ میری طرف سے خواجہ صاحب کو کہو کہ تجھے سیدھا راستہ دکھادیں تو میں نے اس کو کلمہ پڑھا دیا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسانی ارتقاء کی تکمیل سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہو گئی لیکن ہم بحیثیت مسلمان وہ نہیں رہے جو ہمارے اسلاف تھے یقیناً ہم پیچھے ہٹے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم اور نعمتوں سے فائدہ اٹھانے میں فی الوقت ناکام ہیں۔

اس کے ساتھ ہی اس باوقار نشست کا اختتام ہوا۔

روانگی مرشد کریم

گھر پہنچ کر موجود افراد سے ملاقات ہوئی۔ کھانا کھایا گیا اور آرام کے بعد ملاقات کے منتظر صوبائی وزیر تعلیم اور ان کے اہل و عیال سے ملے۔ روانگی سے قبل اہل خانہ سے فرداً فرداً ملے۔ سب اہل خانہ آپ کے قیام کے دوران اس سعادت پر مشکور تھے۔ آپ نے سب کو دعا دی اور شکریہ ادا کیا۔ چھوٹے بیٹے جس کو آپ نے معصومیت و سادگی پر اپنا دوست بنالیا تھا اسے پیار کیا اور کہا کہ یہ مجھے بہت یاد آئے گا۔ دعا کے ساتھ ہی گھر سے روانگی ہوئی اور مراقبہ ہال پہنچے۔ جہاں کافی دیر سے سلسلے کے بہن بھائی الوداعی ملاقات کے منتظر تھے۔ صبح سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہر چیز رخصت ہو رہی ہے۔ مشن کے فروغ کے تناظر میں اس حرکت ہی میں برکت ہے۔ بہتا پانی ایک جگہ جمع نہیں ہوتا یہ نشیب و فراز سے گزرتا ہوا پیاسی زمین کو سیراب کرتا آگے بڑھتا رہتا ہے۔

آپ نے اپنے قیام کے دوران یہاں دو تعارفی تقاریب، چار علمی نشستوں، دو تربیتی ورکشاپس، دو روحانی محافل، چار محافل مراقبہ میں ملاقات برائے علاج و مسائل اور دو مرکزی سیمینارز میں شرکت فرمائی۔ تسخیر کائنات، روحانی خواتین اور علم الاسماء جیسے اہم موضوعات پر اپنے زریں افکار و خیالات سے مستفیض فرمایا۔ حتیٰ کہ سیر و تفریح میں بھی جس طرح شستہ پیرائے میں آپ نے ساتھیوں کی فکری تربیت کا اہتمام کیا اور سب سے بڑھ کر جس محبت و قربت سے نوازا اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ آپ یہاں سے روانگی کے وقت پروگرام کے انتظامات، دورہ کے نتائج اور ساتھیوں کی محبت و خدمت سے بہت خوش ہوئے۔ ایئرپورٹ پر ہم سب نے دلگیر جذبات میں مرشد کریم کو خدا حافظ کہا۔

'قربت و نسبت'

اس سوچ کے جواب میں کہ مرشد کریم کی محبت و قربت سے ان دنوں میں ہم نے کیا حاصل کیا؟ تو گزرے دنوں کو یاد کرتے ہوئے جب غور و فکر کیا تو ہر گزلمحہ اور مرشد کے عمل سے جو سبق ملا وہ یہ ہے:

اصل خالق و مالک اللہ ہے اور

اللہ ہی سب کچھ کرنے والا قادر مطلق ہے۔

وادی اوڑک میں ڈیم کے قریب سیر کے دوران جب مختلف ساتھی فطرتی حسن کو بیان کرتے ہوئے پانی کے وسائل، آبپاشی و آبنوشی کے منصوبے اور قدرتی مقامات کی معلومات مرشد کریم کو بتا رہے تھے یا پھلوں کی اقسام و باغات کی تفصیلات بیان ہو رہی تھیں تو مرشد کریم کافی دیر تک بغور سب کی باتیں سنتے رہے۔ بالآخر آپ نے گہرے تاسف کے ساتھ فرمایا کہ ان تمام تفصیلات میں اگر ایک ذکر نہیں کیا گیا تو وہ خالق کائنات اللہ کا ذکر ہے۔ اللہ جو مصور کائنات ہے۔ جس نے زمین بنائی۔ پہاڑ قائم کئے۔ پانی کے

چشموں اور دریاؤں کا نظام بنایا، درخت اگائے، پھل پھول پیدا کئے۔ پانی کو ٹھنڈا، میٹھا اور خوش ذائقہ بنایا۔ بندہ ہر ظاہری چیز کا ذکر تو کرتا ہے۔ وادی کا حسن تو دیکھتا ہے لیکن اس تمام قدرتی و فطرتی حسن اور وسائل کا خالق "اللہ" اس کے ذہن میں نہیں آتا۔

علم الیقین و عین الیقین کا تقاضہ ہے کہ پس پردہ حقیقت سے روشناس ہو کر اپنے ہر عمل اور ذہنی حرکت کو اسی حقیقت کے تناظر میں دیکھا جائے اور اس ذات کی قلبی نسبت حاصل کر لی جائے جو ان مناظر، وسائل اور نعمتوں کا مالک ہے۔ ہمارا خالق اور ہمارا کفیل ہے۔ خود زندہ ہے اور ہمیں زندگی کو قائم رکھنے کے لئے وسائل فراہم کرنے والا حیّ و قیوم ہے۔ اور جس کی طرف پلٹ کر ہم نے واپس جانا ہے۔